ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ ، مئی ۱۹۹۲ء

لولا اھتدینا اگر تو ہدایت نہ دیتا!

فتح احزاب ۲۳۔ ذیقعد ۵ھ

حدیث براء رضی اللہ عنہ: حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ احزاب میں رسول اللہؐ کو اس طرح مٹی اٹھاتے دیکھا کہ مٹی نے آپ کے پیٹ کی سپیدی کو چھپا لیا تھا اور آپؐ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

لولا انت ماھتدینا ولا تصدّقنا ولا صلّینا

اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ دیتا تو ہم نہ راہ یاب ہوتے اور نہ زکواۃ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فانزل السّکینۃ علینا وثبّت الاقدام ان لّاقینا

پس تو ہم پر تسکین و طمانیت نازل فرما اور جب دشمن سے مقابلہ درپیش ہو تو ہمیں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما۔

اِنّ الاُلیٰ قد بغوا علینا اذا ارادو فتنۃ ابینا

ان لوگوں نے (مکہ والوں نے) ہم پر چڑھائی کر دی ہے کیونکہ انہوں نے جب تیرے دین کی مخالفت کی تو ہم نے ان کی بات نہ مانی

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۵۶ الجہاد: باب ۳۴ حفر الخندق۔

قائداعظم نے "فرمایا" ص ۹ ایک پہلو یہ بھی ہے

نمازی اور غازی

قومی خطرے کے وقت انفرادی نیکی کی قیمت بہت کم رہ جاتی ہے
جو عبادت گزار اور نیک شعار خطرے کے وقت سینہ سپر نہیں ہوتا، اس کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ سچا مذہب وہ ہے جو انسان میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی خوبیاں پیدا کرے۔ یعنی امن کے وقت دوستوں کا محبوب ہو اور جنگ کے وقت غنیم کا دشمن ہو۔ ہر مذہب کی ابتدا میں انفرادی نیکی کے ساتھ اہل مذہب میں جنگی سپرٹ کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ جوں جوں اہل مذہب میں مذہبی روح فنا ہوتی جاتی ہے، قومی اور ملکی خطرے کے وقت وہ گوشوں میں پناہ پاتے ہیں۔ دشمن میدان خالی پاکر ملک کا امن برباد کر دیتا ہے اور اہل وطن کے مال و دولت پر قبضہ جما لیتا ہے۔ بدر کے اللہ والوں کی زندگیوں کو دیکھو، نماز کے وقت پانی سے وضو کرتے تھے۔ جنگ میں خون سے ہولی کھیلتے تھے۔ رات کو مصلّوں پر بیٹھتے تھے تو دن کو گھوڑوں کی پیٹھوں پر دکھائی دیتے تھے۔ دیکھو جب تک مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی نیکی موجود رہی، وہ دنیا میں سرفراز رہے اور جب سے ملّی اور ملکی خطرے کے وقت نفلی عبادتوں میں مصروف ہونے لگے، دنیا کے ہر گوشے میں اسلام بے توقیر ہو کر رہ گیا۔

یاد رکھو، امن کے وقت مخلوق سے حسن سلوک اور حسن معاملہ کا نام اسلام ہے جنگ کے وقت سرفروشی سچا دین ہے۔ جو امن اور جنگ دونوں حالتوں میں مذہب کا فرمانبردار بنا رہے گا فلاح پائے گا۔ جو امن کے وقت بدمعاملہ اور بدقماش ہوگا، خطرے کے وقت جان چرائے گا وہ آخرت میں سزا پائے گا۔ جس قوم کے افراد امن کے ایّام میں بدکردار اور نابکار ہوں گے اور خطرے کے وقت گھبرا جائیں گے۔ وہ دنیا کی حکومت سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ ان پر ان سے بہتر قوم حاکم کر دی جائے گی۔

مفکر احرار چودھری افضل حق ؒ
(محبوب خدا صفحہ ۳۰-۱۲۹)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ مئی ۱۹۹۲ء جلد ۳ شمارہ ۵ قیمت فی پرچہ =/۶ روپے

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ

مجلس ادارت

رئیس التحریر:
سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول:
سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہ
حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ
ذوالکفل بخاری ● قمر الحسنین
خادم حسین ● ابوسفیان تائب
محمد عمر فاروق ● عبداللطیف خالد
حُر آغائی ● دیدہ ور

زر تعاون سالانہ

اندرونِ ملک =/۶۰ روپے ◎ بیرونِ ملک =/۵۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ

خط و کتابت: دار بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان — فون ۷۲۸۱۳

ترجمانِ تحفظِ ختمِ نبوّۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل احمد اختر مطبع: تشکیل نو پرنٹرز مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات	رئیس التحریر	۳
الحاق پاکستان	معاصر سے انتخاب	۷
قائد اعظم نے فرمایا	ادارہ	۹
خصوصیات صحابہ کرام رض	مولانا سید اخلاق حسین دہلوی	۱۶
نعت	محمد اکرام تائب	۲۳
کرب (نظم)	سید عطاء المحسن بخاری	۲۴
ہزلیات رضوان	مولانا محمد عبدالحق چوہان	۲۵
زبان میری ہے بات ان کی	قمر الحسنین	۳۴
قائد اعظم کا پاکستان دیکھ	دیدہ ور	۳۶
آذر کون ۔ ؟	مولانا ابو معاویہ تونسوی	۳۷
حلقۂ احباب	قارئین	۴۵
مسافران آخرت	ادارہ	۴۶
کشف سبائیت	مولانا ابوریحان سیالکوٹی	۴۷
آہ چغتائی صاحب	قمر الحسنین قمر	۵۶

سانحۂ ارتحال، مرزا محمد حسن چغتائی (رحمۃ اللہ علیہ)

(امیر عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان)

میں نے اپنی پینتیس سالہ مشاہداتی زندگی میں کبھی بھی انہیں بلند آواز سے بولتے نہیں سنا، کبھی کسی سے الجھتے نہیں دیکھا، کبھی کسی بات پر اصرار کرتے نہیں پایا، اکڑ کر چلتے ہوئے نہیں دیکھا، مجلس میں نمایاں جگہ پر بیٹھنا گویا ان کے لئے الم کا مرحلہ ہوتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ احرار کے اجلاس میں موجود ہیں مگر ایسے کہ آواز دے کر پوچھنا پڑتا کہ چغتائی صاحب ہیں تو ایک نحیف سی آواز ابھرتی اور پھر لرز کر تحلیل ہو جاتی کہ میں یہیں ہوں اور بڑے اصرار کے ساتھ انہیں کہنا پڑتا کہ آئیے آگے آجائیے اور اجلاس کی کارروائی لکھنے کا فریضہ سنبھالئے تب جاکر چغتائی صاحب کارکنوں کے سامنے جلوہ افروز ہوتے۔ منحنی سا آدمی، مرنجاں مرنج، کم گو، پنی تلی مضبوط رائے کا مالک، اعلیٰ درجے کا خوش نویس، بلا کا حافظہ تھا، دل و نگاہ اور ہاتھ کا امین، شب زندہ دار، فرائض و نوافل کا پابند، ذاکر و شاغل، مگر صاحب کیا مجال ہے جو کسی کو کانوں کان خبر ہو! گویا اک عالم شہود میں فکر و نظر ہیں آپ کے! دیکھنے والا سمجھتا اونگھ رہے ہیں، عالم نہ تھے مگر علم سے فکر روشن رکھتے تھے۔ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے ساتھ ۳۲ء میں منسلک ہوئے، احرار کا سرخ چولا زیب تن کیا اور فقر کی شب ہائے دراز میں بھی اسی گل گوں قبا کے ساتھ گئے۔ اکثر کہا کرتے تھے ہم نے یہ سرخ قمیص اس لئے نہیں پہنی تھی کہ سیاسی موسموں کے بدلتے ہی لباس و رنگ بھی بدل دیں گے یہ تو قبائے لا الٰہ ہے جو ہمیں امیر شریعتؒ نے پہنا دی ہے۔ اسے موت بھی نہیں اتار سکتی!

۱۲ اپریل شب ۲ بجے قبائے لا الٰہ زیب تن کئے یہ بندۂ حق واصل بحق ہوا!

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ واظلہ تحت ظل عرشک آمین یا ارحم الراحمین ط

افغانستان

لڑائی اگر اللہ و رسولؐ کی رضامندی اور آخرت میں درجات کی بلندی کے حصول کے لئے لڑی جائے تو جہاد، ورنہ محض فساد!

سنہ ۱۹۷۹ء میں علمائے افغانستان کی قیادت میں مجاہدین افغانستان نے جس لڑائی کا آغاز کیا تھا وہ یقیناً اللہ و رسولؐ کی رضامندی اور عقبیٰ کی سربلندی کی بنیاد پر تھی۔ تیرا سال پر محیط اس جہاد نے کمیونسٹ بلاک کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ روس کا آخری مہرہ نجیب اللہ شکست و ریخت اور ذلّت و ادبار کے غار میں دھکیل دیا گیا، افغانستان فتح ہوگیا، جہاد کا میٹھا پھل اب مجاہدین کے قدموں میں ہے اور اب مجاہدین کے اخلاص اور شعور کی آزمائش کے دن شروع ہوئے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ مجاہدین آزمائش کی اس گھڑی میں حق و عدل پر پورے اترتے ہیں یا اقتدار کی لذتوں سے ہم آغوش ہونے کے لئے بے تابی شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں، ہم اس مقام پر نہیں کہ انہیں نصیحتوں کے باب میں سے چند اوراق پڑھائیں تاہم کچھ عرض کرنے کی پوزیشن رکھتے ہیں کہ مجاہدین نے تیرا برس میں جس حوصلے اور تدبّر کا مظاہرہ کر کے روسی و امریکی یہود و نصاریٰ کے دانت کھٹے کئے ہیں۔ اب اس کی بہت ضرورت ہے کہ مجاہدین اپنے تاریخی روایتی عدل و تقویٰ کو اختیار کر کے نہایت اعلیٰ درجہ کے تدبر کا مظاہرہ کریں اور تمام مجاہدوں کے مشورہ سے ثمر جہاد کی تقسیم کریں! ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر احمد شاہ مسعود اور حکمت یار کسی ایک طبقۂ مجاہدین کی حکومت کا خواب نہیں دیکھ رہے تو پھر ان میں ہرگز لڑائی نہیں ہوگی اور اگر صورت حال کا رخ دوسرا ہے تو پھر لڑائی کے امکانات وسیع تر ہیں! یہی وہ مقام ہے جس کی مثالیں تاریخ میں ثبت ہیں، جرمنی کوریا، ویٹ نام اور مشرقی و مغربی پاکستان ۔ اب کہ وہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا ہے۔ اور ہمارے نظریۂ پاکستان کا منہ چڑا رہا ہے۔

دوسری گذارش مجاہدین کی خدمت میں یہ ہے کہ مجاہدین کے پاکستانی مشیر علماء ہوں، سیاست داں ہوں یا حکمران ان کی سیاسی مصلحتیں مجاہدین سے بہر نوع الگ بلکہ بعض مقامات پر متضاد ہیں۔ مثلاً حکومتِ پاکستان کی سب سے بڑی مجبوری امریکہ کی رضامندی ہے۔ امریکہ بہادر حکومت پاکستان کی وساطت سے افغانستان میں ایسی حکومت کے قیام کا خواہش مند ہے جسے "لبرل ڈیموکریٹک" کہا جا سکے۔

افغان مجاہدین اگر اس پر راضی نہ ہو سکے تو موجودہ حکومت خزاں آشنا ہو جائے گی۔ پچھلے دنوں میں بے نظیر، نصراللہ خان، غلام مصطفےٰ جتوئی اور ولی خاں وغیرہ کے بیانات اسی پس منظر کی غمازی کرتے ہیں۔ ان سیاست بازوں کو ہوا میں جو موج ہوا پیچاں نظر آتی ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ سیاسی جادوگر کہیں دور دراز بارگیننگ کی گفتگوئیں بھی کر چکے ہوں! ماضی میں پی۔پی۔پی کی حکومت ایسے ہی دو بدترین مظاہرے کر چکی ہے۔ ایک خوست پر کھلا حملہ اور دوسرے مجاہدین کی عبوری حکومت کو تسلیم نہ کرنا۔ اسی لئے یہ سیکولر لیڈر افغان مجاہدین کو الیکشن کے چکر میں پھانسنے کے لئے بڑی ادائے دلبری و جان سوزی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا مجاہدین ان سے مشورہ ضرور کریں مگر فیصلہ تمام مجاہدین کی رضامندی اور حقوق کی عادلانہ تقسیم کی بنیاد پر کریں، اور افغانستان میں خالص دینی حکومت قائم کرکے جہاد کا مقصد پورا کریں۔ اور (خدانخواستہ) اگر الیکشن کی بیماری افغانستان میں پھیل گئی تو اسلام کا وہاں بھی وہی حشر ہوگا جو پاکستان میں۔ وما علینا الا البلاغ

جناب جاوید اقبال

۲۲ر اپریل کا نوائے وقت میرے سامنے ہے اور نقاش پاکستان علامہ اقبال مرحوم کے فرزند جناب جاوید اقبال کے ارشادات نظر نواز۔ آپ ایک بڑے باپ کے فرزند ہیں اور پاکستان کے بہت بڑے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ مگر حادثہ یہ ہے کہ باتیں بہت چھوٹی کرتے ہیں بلکہ محاذ آرائی کی گفتگو کرتے ہیں۔ جس کی بنیاد علم نہیں بلکہ محض نفسی جذبات اور فکری واردات ہوتے ہیں! جب بھٹو مرحوم نے سوشلزم اور اسلام کی بحث چھیڑی تو بھی آپ نے سوشلزم کو قائداعظم اور اقبال کا پسندیدہ فکر کہا اور جب ڈاکٹر گورایہ صاحب نے اپنی غیر مقلدیت کی اپج اجتہاد پر بحث چھیڑی تو بھی آپ نے موجودہ عہد کے پارلیمانی افراد کو مجتہد ماننے پر فتویٰ صادر کیا اور فقہاء کو لتاڑا۔ اب آپ نے پاکستان میں اسلام کے جائز اور غلط استعمال پر بھاشن دیا اور حق و باطل دونوں کی اکھاڑ پچھاڑ کر ڈالی۔ بڑے باپ کی فرزندی اور کسی بڑے عہدے پر فائز ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں وہ جو رطب و یابس بھی کہیں اس کو نوائے وقت اور ارشاد احمد حقانی وغیرہ منوانے کے لئے اپنے قلم و قرطاس وقف کرکے اس عہد کا "مجدد" ثابت کرنے کی سعی کریں۔ پاکستان میں اسلام کو سیاسی مقاصد کے لئے کس نے استعمال کیا؟ جاوید صاحب فرماتے ہیں:

"ہم نے اسلام کو اس ملک میں مثبت انداز سے استعمال کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب اسلام کو

سیاسی حوالے سے استعمال کیا گیا وہ انٹی قادیانی تحریک تھی، اس کے پیچھے مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح خواجہ ناظم الدین کی حکومت ختم کی جائے۔"

اس تحریک کے متعلق مرزائی اور بعض شیعہ بھی یہی کچھ کہتے اور لکھتے ہیں اگر صرف کسی کے کہہ دینے اور لکھ دینے سے کوئی بات سچی ہو سکتی ہے تو پھر پوری دنیا میں مخالفین باہم ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ مان لینا چاہیئے جناب جاوید نے اپنی ایک جذباتی رائے کا جھلا کر اظہار تو کر دیا مگر اس کے لئے نہ تو انہوں نے کوئی دلیل دی، اور نہ ہی کوئی حوالہ! حالانکہ جاوید صاحب کے بزرگ مسلم لیگی رہنما جناب دولتانہ، م۔ش۔ زیڈ اے سلہری اور خود خواجہ ناظم الدین صاحب کے حوالی موالی لیگی رہنما اس الزام کی بار ہا نفی کر چکے اور ان لوگوں کو جو اس اعتراض کو اچھالتے ہیں تسلی کرا چکے ہیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اس وقت کی مرکزی حکومت اینٹی قادیانی تحریک کے بزرگوں سے گفتگو ہی نہ کرتی، تیسری بات یہ کہ جب اس تحریک کے بانیوں پر مقدمات قائم کئے گئے اور عدالتی تحقیقات ہوئیں اور جسٹس منیر جیسا جانبدار جج تحقیقات پر مامور ہوا تو یہ "فلیتہ" اس عدالتی تحقیقات میں بھی نہ جلایا جا سکا جو آج جناب جاوید جلانے کی فکر میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں! چالیس سال بعد اسلام کے غلط استعمال کی نشاندھی جاوید اقبال صاحب کی بڑی بات نہیں چھوٹی بات ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ جناب جاوید اقبال نے اپنی سیکولر ذہنیت اور قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے کی وجہ سے یہ دبا کھیان دیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔!

اور میں یہ پوچھنے کا حق بھی رکھتا ہوں کہ جناب جاوید آپ پیدائشی مسلم لیگی اور بقول آپ کے "شیعہ قائداعظم کے سُنّی سپاہی علامہ اقبال" کے فرزند ارجمند ہونے کے ناطے آپ بتا سکتے ہیں کہ اسلام کا ناجائز استعمال ۱۹۵۳ء میں ہوا کہ ۱۹۴۲ء سے شروع ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے؟ پاکستان کے قیام کیلئے اسلام استعمال ہوا کیا یہ جائز ہوا؟ پھر پاکستان بن جانے کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی نے قائداعظم اور قائد ملت سے اسلام کے ناجائز استعمال کی گذارش کی اور قرار دادِ مقاصد جس طرح پاس ہوئی کیا یہ بھی اسلام کا جائز استعمال تھا؟ پھر جناب جاوید بتا سکتے ہیں کہ اسلام کے مسلم لیگی عظیم بزرگ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی بہاول پور میں موت اسلام کا جائز استعمال تھا؟ جناب جاوید! پاکستان مسلم لیگ نے بنایا، آپ صرف یہی بتا دیں مسلم لیگ نے ۱۹۴۷ء سے لے کر آج ۱۹۹۲ء تک اسلام کا کب، اور کہاں جائز استعمال کیا؟ اور جناب جاوید آپ نے اپنی ذات پر اور اپنے دورِ قضاء میں اسلام کا کتنا جائز استعمال کیا۔ گستاخی معاف! میں بہت کچھ کہہ گیا اور مجھ سے بہت کچھ رہ گیا اجازت چاہتا ہوں باقی پھر کسی نشست میں ——— !

معاصر سے انتخاب

الحاق پاکستان کی تحریک کو خودمختار کشمیر کی تحریک بنانے کے لیے بھارت کے ہتھکنڈے

اسرائیلی موساد کے چھ ماہرین اور کمانڈوز دہلی پہنچ گئے، پاکستانی قادیانیوں کا تعاون بھی حاصل کر لیا گیا

بھارت خوب سمجھتا ہے کہ اب کشمیر اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اس کی صرف ایک حسرت ہے کہ کشمیر اس کے ساتھ نہ رہے تو پاکستان کے ساتھ بھی نہ جانے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک جانب کشمیر کے بدلے سندھ کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے اور دوسری جانب "کشمیر بنے گا پاکستان" کے نعرے کو "کشمیر بنے گا خودمختار" سے بدل دینا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ کچھ عرصے سے نہ صرف سندھ میں بھارتی خفیہ تنظیم "را" کی سرگرمیوں میں شدت پیدا ہو گئی ہے بلکہ "کشمیر بنے گا خودمختار" کی آواز بھی سنائی دینے لگی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں یہ نعرہ اب تک قبولِ عام حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔

متعدد وجوہات کی بنا پر جن میں اسلامی تشخص اور ایٹمی پالیسی شامل ہیں، پاکستان صرف بھارت ہی نہیں، اسرائیل اور امریکہ کی آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگا ہے، چنانچہ اسرائیل کی خفیہ تنظیم موساد اور بھارتی خفیہ تنظیم را کے درمیان ایک سمجھوتہ طے پایا ہے، جس کے تحت دونوں تنظیموں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سمجھوتے کے نتیجے میں موساد کے چھ سو کمانڈوز اور ماہرین مارچ کے مہینے میں بھارت کے دارالحکومت دہلی پہنچ گئے ہیں۔ جن میں سے دو سو افراد کو شہر کانپور میں ضیا لاج چمن گنج C-57، 10 پیش کار روڈ کانپور روڈ میں ٹھہرایا گیا ہے۔ ان اسرائیلی ماہرین کے ہمراہ اسرائیل سے آئی ہوئی دو سو نوجوان لڑکیاں بھی رہائش پذیر ہیں۔ پندرہ پندرہ مردوں اور لڑکیوں پر مشتمل گروپ تشکیل دیئے گئے ہیں، جنہیں سیاحوں کے روپ میں جموں و کشمیر کے علاقوں کے دورے کرائے گئے ہیں اور ان علاقوں میں جہاں مجاہدین کی سرگرمیاں زیادہ ہیں، مثلاً سری نگر، پونچھ، بارہ مولا وغیرہ میں خاص طور پر لے جایا گیا ہے۔ کشمیر میں را کے ذمہ دار کشمیر زون کے انچارج سابق ایم ایل اے میاں بشیر نے، جو گوجر نگر جموں میں میاں پیلس میں رہائش پذیر ہیں، دورے کے انتظامات کئے اور ان افراد سے مسلسل رابطہ رکھا۔ اسرائیلی موساد کے بقیہ چار سو افراد کو جو خالصتاً فوجی کمانڈوز ہیں، گنگا نگر کے کیمپ میں رکھا گیا، جہاں ان کے لئے خصوصی انتظامات کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ گنگا نگر کے علاقے میں بھارت نے اپنی سرحد بند کرنے کا فیصلہ نہ صرف اس علاقے میں واقع تربیتی کیمپوں کی بدنامی کے سبب کیا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں اسرائیلی کمانڈوز کی موجودگی کو خفیہ رکھنے کی ضرورت بھی پیشِ نظر تھی۔ اس علاقے میں پاکستانی افراد کی آمدورفت کے باعث خطرہ تھا کہ کوئی پاکستانی جاسوس بھارتی کیمپوں میں داخل ہو کر ان افراد کی آمد سے آگاہ نہ ہو جائے، چنانچہ ہنگامی طور پر بھارت نے گنگا نگر کی بھارتی سرحد بند کرنے کا فیصلہ کیا، (جس کا ذکر تکبیر کے گزشتہ ایک شمارے میں کر دیا گیا تھا)۔

ذرائع کے مطابق موساد کے ان کارندوں نے پاکستان میں قادیانیوں کی تنظیم "ریڈ" سے بھی رابطہ کیا ہے اور انہیں ہدایت کی ہے کہ خودمختار کشمیر کا پروپیگنڈہ تیز کر دیا جائے۔ قادیانیوں کی مختلف تنظیموں نے اپنے لندن کے مرکز کی ہدایت موصول ہونے کے بعد خودمختار کشمیر کی مہم کے لئے کام شروع کر دیا ہے۔ خودمختار کشمیر کی حمایت میں جموں میں ایک ریلی کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے، جس میں پاکستانی اور بھارتی قادیانی پیش پیش ہیں۔ بڑی تعداد میں یہ افراد ریلی میں شرکت کے لئے جموں

جائیں گے۔

خود مختار کشمیر کی مہم کے لئے خصوصاً کشمیر سے تعلق رکھنے والے قادیانیوں کو بھرپور حصہ لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کراچی کے جہانگیر پارک میں کشمیری قادیانیوں کی میٹنگیں بھی ہوئی ہیں جس میں خود مختار کشمیر کی حمایت میں تقریریں کی گئیں اور نعرے لگائے گئے۔ کشمیری قادیانیوں کو خود مختار کشمیر کی مہم کے لئے مسلسل پروگرام دینے کی غرض سے تین مارچ کو ایک اجلاس قادیانیوں کے احمدیہ ہال میں بلایا گیا تھا، جو پلازہ سینما کے پیچھے پلازہ کوارٹرز میں واقع ہے۔ اس اجلاس میں خود مختار کشمیر کے مسئلے پر بحثیں ہوئیں اور ہدایات جاری کی گئیں۔ اطلاعات کے مطابق را نے خود مختار کشمیر کی مہم پر کشمیر کے قادیانیوں کو آمادہ کرنے کے لئے لندن میں قادیانیوں کے مرکز کو بھاری رقم ادا کی ہے۔ رقم کی ادائیگی کا یہ معاہدہ بھارت سے تعلق رکھنے والے قادیانی چوہدری اکمل اور را کے رکن انیل کے ذریعے طے پایا۔ چوہدری اکمل ضلع ہوشیارپور کا رہنے والا ہے۔ اس معاہدے کے بعد قادیانیوں کے لندن مرکز کی جانب سے پاکستان اور بھارت سے تعلق رکھنے والے قادیانیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ کشمیر کے مسئلے پر بھارت کی پالیسی کے مطابق کام کیا جائے۔ پاکستان میں قادیانیوں کی تنظیم انصار اللہ جو زیادہ تر کشمیری لوگوں پر مشتمل ہے، خاص طور پر فعالیت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اس تنظیم کی جانب سے عنقریب سینکڑوں کارکن مقبوضہ کشمیر بھیجے جائیں گے، جو مجاہدین کے ٹھکانے معلوم کر کے بھارتی فوج کو آگاہ کریں گے اور پیرا ملٹری فورسز کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کریں گے۔ اس سلسلے میں ریکروٹنگ کا ابتدائی کام شروع کر دیا گیا ہے۔

موساد کے علاوہ را نے کشمیر کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے خاد سے بھی رابطہ قائم کیا ہے اور بھارتی سی بی آئی او سینٹرل کی درخواست پر خاد کا ایک اہم شخص امین خان دہلی پہنچ گیا ہے۔ اپریل کے مہینے میں خاد، را اور موساد کے اعلیٰ افسران ملیں گے اور کشمیر کے سلسلے میں لائحہ عمل طے کریں گے۔ موساد کی نمائندگی ایک اعلیٰ افسر ہیرن موشا کرے گا، جو ۳۰ مارچ کو دہلی پہنچنے والا ہے۔

را کی جانب سے کشمیری قادیانیوں کو دنیا بھر میں خود مختار کشمیر کی حمایت میں خطوط لکھنے اور ذرائع ابلاغ میں مضامین اور مراسلے شائع کرانے کی بھی ہدایت کی گئی ہے، جس میں کشمیر کا مسئلہ خود مختار کشمیر کے حوالے سے پیش کیا جائے گا اور دنیا بھر میں یہ باور کرائے گا کہ کشمیر کا مسئلہ پاکستان کا پیدا کردہ ہے اور کشمیری پاکستان سے الحاق نہیں چاہتے۔

بظاہر موساد کے اسرائیلی کارندے مسئلہ کشمیر میں بھارت کی مدد کے لئے دہلی پہنچے ہیں، لیکن ان کی بھارت آمد میں مسئلہ کشمیر پر بھارت کی مدد سے زیادہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں کو سبوتاژ کرنے کا دوررس منصوبہ بھی کارفرما ہے۔ کچھ عرصہ قبل بھی موساد کے ایجنٹ خفیہ کارروائی کے ذریعے پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کو نقصان پہنچانے کے لئے بھارت پہنچے تھے، لیکن مجاہدین کشمیر نے سیاحوں کے روپ میں گھومنے والے ان اسرائیلیوں کو پکڑ لیا، جس کے بعد راز افشا ہو جانے کے سبب ان کے لئے اپنی منصوبہ بندی پر عملدرآمد ناممکن ہو گیا تھا۔ اب ایک بار پھر اسرائیل مقبوضہ کشمیر میں تعاون کی آڑ میں پاکستا[redacted]ٹی پروگرام کو تباہ کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔

● بشکریہ ہفت روزہ تکبیر کراچی

بقیہ از ص ۱۵

کی بنا پر پیدا ہونے والے باہم طبعی واجبات کا مسئلہ تو ان امور کا فیصلہ پاکستان اور ہندوستان یا دوسری متعلقہ پارٹی کے دستور ساز مجلسوں کا کام ہوگا، اور یہ فیصلہ ان دونوں دولتوں کی آزادی کو بحال رکھتے ہوئے کیا جائے گا۔"

فرمائیے، جھوٹ کہاں سے نکلا اور اسے کہاں سر چھپانا چاہیئے اگر لیگ کی قرارداد کا مفاد یہی تھا جو اب ہمارے سامنے آیا ہے۔ اس پر تو ۱۹۴۴ء میں فیصلہ ہو رہا تھا؟ اس وقت اسے کیوں نہ مانا گیا اور وہ روز کیوں آنے دیا جس کے الم انگیز حوادث میں ہمارے اندازے کے مطابق مسلمانوں کا جانی نقصان ستر فیصدی سے کسی حالت میں بھی کم نہ ہوگا۔ (روزنامہ "انقلاب" لاہور۔ ۸ جون ۴۷ء)

ادارہ

قائدِ اعظم نے فرمایا۔!

روزنامہ نوائے وقت نے مسلسل ہمارے اکابر کی شخصیت کشی کی ہے، اب روزنامہ جنگ بھی اس "کارِ خیر" میں شریک ہو کر اپنی جنت سدھارہا ہے۔ نیز ان دنوں جناب نواب زادہ نصراللہ خاں کی ابتدائی زندگی کا گناہِ کبیرہ احرار سے" وابستگی" وائیں صاحب کے کلیجے میں پیوست ہے، یہ تیر بے گماں اور بہت سے لوگوں کی نیندیں بھی حرام کئے ہوتے ہے، اور کچھ پانی اور مٹی میں کلبلا رہے ہیں ان کی" رہنمائی" کیلئے ماضی کی ایک تصویر قارئین کی تسلیوں کے لئے ہدیۂ قارئین ہے یہ روزنامہ انقلاب کے دو اداریے ہیں جن میں قائد اعظم کے" فرمان" مندرج ہیں ــــــــ (ادارہ)

پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا، حد بندی کے کمیشن مقرر کر دیئے گئے۔ اب اس بحث سے کیا حاصل ہوسکتا ہے کہ ــــــــ ۱۹۴۴ء میں لیگ کے سامنے جو کچھ پیش کیا گیا تھا وہ یہی تھا جو آج قبول کیا گیا ہے؟ اگر یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ حقیقت یہی ہے تو کیا لیگ موجودہ فیصلے کو بدل دے گی؟ ہرگز نہیں" لہذا یہ بحث اب بداہتہً" فضول و عبث ہے۔ تاہم واقعہ یہی ہے کہ اب جو کچھ قبول کیا گیا ہے وہی ہے جو ۱۹۴۴ء میں کانگریس دے رہی تھی، ہمارے ایک یوگی معاصر کو خدا جانے کیوں اصرار ہے کہ اس باب میں جو کچھ کہا جارہا ہے وہ جھوٹ ہے؟ اس غلط فہمی کے سدباب کے لئے ضروری ہے کہ حقیقت حال پھر واضح کی جائے اور جھوٹ کو اس کے اصل مرجع و مآل تک پہنچایا جائے۔

۸ راپریل ۱۹۴۴ء کو مسٹر راجگوپال نے ایک خط کے ذریعہ سے چند تجاویز مسٹر جناح کے پاس بھیجی تھیں، یہ چھ دفعات پر مشتمل تھیں، مقصود یہ تھا کہ انہیں کانگریس اور لیگ کے درمیان سمجھوتے کی بنیاد قرار دیا جائے۔ دوسری اور چوتھی دفعہ کا متن یہ تھا:

"جنگ کے خاتمے پر ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا جو ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں ان متصل

اضلاع کا تعین کریگا جن میں مسلمانوں کو مطلق اکثریت حاصل ہے اس طرح متعین شدہ علاقوں کے تمام باشندوں سے بالغوں کے حق رائے یا کسی دوسرے ممکن العمل حق رائے کی بنیاد پر استصواب کیا جائے گا، اگر اکثریت کا فیصلہ یہ ہو کہ ہندوستان سے الگ ایک خودمختار سٹیٹ بنائی جائے تو اس فیصلے کو عملی جامہ پہنا دیا جائے گا.....

علیحدگی کی حالت میں دفاع، تجارت، وسائل حمل و نقل اور دوسرے ضروری مقاصد کے تحفظ کے لئے باہم معاہدے ہو جائیں گے۔"

مسٹر راجگوپال کے دعوے کے مطابق گاندھی جی ان تجاویز کے حامی تھے۔ مسٹر جناح نے ۲۱ جولائی ۱۹۴۴ء کو جواب دیا کہ میں خود ان کے قبول یا عدم قبول کا فیصلہ نہیں کر سکتا البتہ گاندھی جی یہ تجاویز براہ راست میرے پاس بھیجیں تو انہیں مجلس عاملہ لیگ کے سامنے پیش کر دوں گا۔

مسٹر راجگوپال نے سمجھا کہ جب مسٹر جناح خود ان کی حمایت کے لئے تیار نہیں ہیں تو انہیں مجلس عاملہ کے سامنے پیش کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔ اس طرح یہ معاملہ التوا میں پڑ گیا۔ مسٹر راجگوپال کے نزدیک لیگ کی قرارداد لاہور کے تمام مطالبات ان تجاویز میں آگئے تھے۔

۳۰ جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں لیگ کونسل کا اجلاس ہوا جس میں مسٹر جناح نے ایک لمبی تقریر فرمائی، ان کا خاص موضوع یہی تجاویز تھیں۔

ہم پوری تحریر تو یہاں پیش نہیں کر سکتے لیکن اس کے دو فقرے خاص توجہ کے محتاج ہیں یعنی:

"ان کا (یعنی راجاجی) کا فارمولا لیگ کی مارچ ۱۹۴۰ء والی قرارداد کا غلط چربہ ہے۔ یہ اس کی نفی ہے کہ اس کا مدعا یہ ہے کہ قرارداد مذکور کو تارپیڈو مار کر فنا کر دیا جائے، اور جب وہ کہتے ہیں کہ ان کے فارمولے میں وہ تمام مطالبات آگئے ہیں جو مسلم لیگ نے اپنی قرارداد میں پیش کئے تھے تو یہ اس قرارداد کی بدترین تخریب ہے۔"

چونکہ گاندھی جی بھی ان تجاویز کے حامی تھے اس لئے مسٹر جناح نے آخر میں فرمایا "جس حد تک تجاویز کی حقیقی حیثیت کا تعلق ہے میں کہتا ہوں کہ گاندھی جی جو کچھ پیش کر رہے ہیں یہ محض سایہ ہے، چھلکا ہے، لولا لنگڑا، اپاہج اور کرم خوردہ پاکستان ہے۔"

آپ سوچیں اور غور کریں کہ کیا اس شدید مذمت کا مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ پنجاب و بنگال کے مقطوع

حصوں کو یا آسام کے پورے صُوبے میں سے ایک ضلع سلہٹ کرنے کر لینے کی حامی تھی؟ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دنیا کے کسی ہوشمند آدمی کی رائے یہ ہو سکتی ہے۔ لیکن ذرا ٹھہریئے اس سے واضح تر اور روشن تر ثبوت آگے آتا ہے۔ ——— اس کے بعد گاندھی جی اور مسٹر جناح میں ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ستمبر ۱۹۴۴ء میں تین ہفتے تک بمبئی میں جاری رہا۔ ۲۴ ستمبر کو گاندھی جی نے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی تھی:

(۱) :۔ میں اس راہ پر چلتا ہوں کہ ہندوستان میں دو یا زیادہ قومیں آباد نہیں ہیں بلکہ اسے ایک ایسا گھرانا سمجھنا چاہیئے جس کے کئی ممبر ہوں۔

(۲) :۔ اس میں سے وہ مسلمان باقی ہندوستان سے الگ رہنا چاہتے ہیں جو شمالی و مغربی حلقے یعنی بلوچستان، سندھ، صوبہ سرحد میں رہتے ہیں یا پنجاب کے ان اضلاع میں رہتے ہیں، انہیں دُوسرے عناصر پر مطلق اکثریت حاصل ہے یا مشرقی حلقے میں بنگال و آسام کے ان اضلاع میں آباد ہیں جہاں وہ مطلق اکثریت کے مالک ہیں۔

ان علاقوں کا تعین ایک کمیشن کے ذریعہ سے کیا جائے جسے لیگ اور کانگرس دونوں کی منظوری حاصل ہو۔ ان باشندوں کی مرضی بالغوں کے حق رائے یا کسی دُوسرے ذریعہ سے معلوم کر لی جائے۔

(۴) :۔ اگر اکثریت کی رائے علیحدگی کے حق میں ہو تو ہندوستان جونہی غیر ملکی اقتدار سے نجات پائے، جلد از جلد ان علاقوں کو آزاد و خود مختار بنا دیا جائے۔

(۵) :۔ علیحدگی کا ایک معاہدہ ہو جائے جس کے مطابق اُمورِ خارجہ، دِفاع، داخلی وسائل حمل و نقل، کسٹمز، تجارت وغیرہ کا اطمینان بخش انتظام ہو اور ان معاملات سے معاہد فریقوں کا مفاد وابستہ ہو۔

فرمایئے اب جو حاصل کیا گیا ہے وہ اِس سے کس بنا پر مختلف ہے؟ کیا پنجاب و بنگال کے انقطاع کا فیصلہ اسمبلی کے ممبروں نے نہیں کیا؟ کیا سرحد اور سلہٹ میں استصواب رائے عامہ پر عمل نہیں ہو رہا؟ کیا بلوچستان والوں کی رائے نہیں لی گئی؟ اور وہی علاقے علیحدہ نہیں ہوئے جو ۱۹۴۴ء میں دیئے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ پنجاب کا ضلع بھی مسلمانوں کے حصّے میں آیا ہے جہاں ان کی آبادی پچاس اور اکاون فیصدی کے درمیان ہے۔

یہی حالت بنگال میں کھلنا اور دیناج پور کے متعلق پیش آئی۔

اس تجویز کے علاوہ گاندھی جی نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر یہ منظور نہ ہو تو فرما دیجئے کہ ۴۰ء والی قرار داد کے مطابق مجھے کیا کچھ ماننا چاہیئے تاکہ اس کو کانگریس سے منوانے کی کوشش کروں۔

اس کے جواب میں مسٹر جناح نے کیا فرمایا؟ یہ کہ:

"آپ (گاندھی جی) نہیں مانتے کہ پاکستان دو حلقوں پر مشتمل ہوگا۔ شمالی و مغربی اور شمالی و مشرقی۔ یہ حلقے چھ صوبوں پر مشتمل ہوں گے۔ یعنی سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب، بنگال اور آسام اور ان میں صرف اس حد تک خفیف علاقہ جاتی ترمیم ہو سکتی ہے جس پر اتفاق ہو جائے جیسا کہ قرار دادِ لاہور میں کہا گیا ہے۔"

محض یہی نہیں بلکہ پنجاب و بنگال اور آسام میں سے صرف مطلق العنان اکثریت والے اضلاع کو حق علیحدگی دینے کی تجویز کے متعلق فرمایا:

"اگر اس شق کو مان لیا جائے اور اس پر عمل ہو تو صوبوں کی موجودہ حدیں کٹ جائیں گی، ان پر ناقابلِ تلافی انقطاع کا عمل جاری ہوگا اور ہمارے پاس محض ایک [redacted] چھلکا رہ جائے گا یہ تجویز قرار دادِ لاہور کے سراسر خلاف ہے۔"

ان واضح اور روشن الفاظ کو سامنے رکھ کر بتایئے کہ کیا وہ ناشدنی بات بے تکلفی سے قبول نہ کی گئی۔ اور مصیبت یہ ہے کہ اس پر اظہارِ ماتم یا اعترافِ مجبوری کے بجائے یوں خوشیاں منائی جا رہی ہیں کہ گویا مقصودِ حقیقی یہی تھا کیا دو بڑے صوبوں میں سے بارہ بارہ اضلاع اور ایک صوبے میں سے ایک کے سوا سب کی کاٹ کر "خفیف علاقہ جاتی ترمیم" کہا جا سکتا ہے؟ پھر سوچیئے کہ جھوٹ کا اصلی مرجع کون سا ہے۔ اور اسے کہاں پناہ گزین کیا جا سکتا۔ (روزنامہ انقلاب لاہور ۸ جولائی ۴۷ء)

روزنامہ "ڈان" نے ۵ جون کی اشاعت میں حکومت برطانیہ کی نئی سکیم پر بحث کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ گویا مسلمان جو کچھ چاہتے تھے انہیں مل گیا اور پاکستان حقیقتاً یہی تھا کہ پنجاب و بنگال کے چند اضلاع سلہٹ اور سرحد و بلوچستان و سندھ الگ ہو جائیں۔ ہمارے بعض دوسرے بھائیوں نے بھی اس واقعہ پر اسی رنگ میں اظہارِ رائے فرمایا ہے۔

ملت کے ان بلند منزلت ترجمانوں کا شیوہ یہ ہو گیا ہے کہ جو کچھ سامنے آجاتا ہے اسی پر پاکستان کی مہر لگا کر فرمانے لگتے ہیں کہ اسلامی نصب العین پورا ہو گیا، مطلوب مل گیا اور اب مسلمانوں کے لئے صرف دعائے خیر باقی رہ گئی ہے۔ مثلاً :

۱۔ جون ۱۹۴۶ء میں تین شعبوں والے مرکز کو قبول فرما کر صوبوں کی گروہ بندی کو مغز پاکستان قرار دیا گیا تھا اور اس پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

۲۔ یہ خوشیاں دیرپا ثابت نہ ہوئیں تو اب پنجاب و بنگال کی تقسیم اور آسام میں سے صرف ایک سلہٹ کو لے کر پاکستان کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔

پھر نہ جون ۱۹۴۶ء میں کسی نے عام مسلمانوں سے پوچھا کہ تمہاری رائے کیا ہے اور نہ آج ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کو اکثریت کی پوزیشن سے گرا کر "سب نیشنل" گروپ بناتے وقت ان سے پوچھنے کی کوئی ضرورت سمجھی گئی۔ حالانکہ لیگ کونسل کے ارکان یا لیگ اسمبلی پارٹیوں کے ارکان میں سے ایک فرد کو بھی عام مسلمانوں نے ایسا کوئی اختیار نہیں دیا تھا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ خود قائد اعظم کے ارشادات عالیہ سب کے سامنے ہیں جو موجودہ سکیم کو ہر اعتبار سے ناقابل قبول ثابت کر رہے ہیں۔ اخبار کی تحریریں آگے پیچھے کی جا سکتی ہیں۔ اخبار نویسوں اور عام لیڈروں کی رائیں بدل سکتی ہیں۔ لیکن قائد اعظم کے ارشادات کو کون صفحۂ قرطاس سے دھو سکتا ہے؟

خوانندگان کرام کو یاد ہو گا کہ اپریل ۱۹۴۴ء میں مسٹر راجگوپال اچاریہ نے ایک فارمولا پیش کیا تھا۔ جس میں یہ پیش کش کی گئی تھی کہ جنگ کے خاتمے پر ایک کمیشن مقرر کر کے ہندوستان کے شمالی و مغربی اور مشرقی حلقوں کے وہ متصل اضلاع الگ کر لئے جائیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور انہیں ہندوستان سے علیحدگی کا اختیار دے دیا جائے۔ لیکن جانتے ہو۔ قائد اعظم نے اس فارمولے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ۳۰ جولائی ۱۹۴۴ء کو لیگ کونسل کے اجلاس میں کیا فرمایا تھا؟ یہ کہ مسٹر راجگوپال اچاریہ کا فارمولا :

"مسلم لیگ کی ۱۹۴۰ء والی قرارداد کا غلط چربہ ہے۔ یہ اس قرارداد کی نفی ہے۔ اس فارمولے کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ قرارداد کو تارپیڈو مار کر فنا کر دیا جائے۔

مسٹر راجگوپال اچاریہ نے اس فارمولے کے لئے گاندھی جی کی تائید حاصل کر لی تھی۔ قائدِ اعظم نے لیگ کونسل کے اسی اجلاس میں گاندھی جی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

"باقی رہی ان تجاویز کی حقیقی حیثیت تو مسٹر گاندھی جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ محض اس کا سایہ ہے۔ محض چھلکا اور قشر ہے۔ ان کا پیش کردہ پاکستان لنگڑا لولا، ہاتھ پیر کٹا ہوا اور کرم خوردہ پاکستان ہے"۔

پھر اسی سال ۹ ستمبر سے لے کر ۲۹ ستمبر تک گاندھی جی اور قائداعظم کے درمیان آخر الذکر کے دولت کدہ پر فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیہ کے لئے گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ ساتھ ساتھ خط وکتابت بھی ہوتی رہی۔ اور پوری خط وکتابت اسی زمانے میں کتابی صورت میں چھپ گئی تھی۔

ان ملاقاتوں میں مسٹر راجگوپال اچاریہ کا فارمولا بھی زیرِ بحث آیا۔ بالآخر ۲۴ ستمبر ۴۴ء کو گاندھی جی نے مندرجہ ذیل تجاویز آخری تصفیہ کے لئے پیش کیں۔

۱۔ کانگریس اور لیگ کی منظوری سے ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو علیحدہ ہونے والے علاقوں کی حد بندی کر دے اور ان علاقوں کی رائے علیحدہ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق معلوم کر لی جائے۔ اگر فیصلہ علیحدگی کے حق میں ہو تو ان علاقوں کو آزاد مستقل دولت بنا دیا جائے۔

۲۔ علیحدگی کا ایک معاہدہ ہو جائے۔ جس میں خارجی امور، دفاع، داخلی مواصلات حمل ونقل، کسٹمز اور تجارت وغیرہ امور کے اطمینان بخش اجرا، کا بندوبست ہو جائے ظاہر ہے کہ یہ معاملات معاہد فریقوں کے یکساں مفاد پر مشتمل ہے۔

۳۔ اس معاہدے میں دونوں حکومتوں یعنی پاکستان اور ہندوستان کی اقلیتوں کی حفاظت کا انتظام بھی کر دیا جائے

۴۔ یہ فیصلہ ہو جانے کے بعد لیگ اور کانگریس حصولِ آزادیٔ ہند کے لئے مشترکہ پروگرام بنائیں

۵۔ اگر براہِ راست عمل کی ضرورت پیش آئے جس میں لیگ شریک ہونے کے لئے تیار نہ ہو تو اسے الگ بیٹھ رہنے کا حق حاصل ہوگا۔

پاکستان کی حدود کے متعلق گاندھی جی کے الفاظ یہ تھے کہ سندھ، سرحد، بلوچستان کے علاوہ پنجاب

بنگال اور آسام کے وہ اضلاع لے لیئے[15] جائیں جن میں مسلمانوں کو واضح اکثریت حاصل ہے۔ قائدِ اعظم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے ۲۵ ر دسمبر ۱۹۴۴ء کے مکتوب میں فرمایا کہ اگر اس تجویز کو مان لیا جائے اور یہ عمل میں آئے تو صوبوں کی موجودہ حدود میں ایسی قطع و بُرید اور کانٹ چھانٹ ہوگی جس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور ہمارے پاس صرف چھلکا اور قشر رہ جائے گا اور یہ صورت (لیگ کی) قراردادِ لاہور کے سراسر خلاف ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ پنجاب بنگال اور آسام کی جو تقسیم ان صوبوں کی موجودہ حدود میں ناقابلِ تلافی قطع و برید کی موجب تھی جس تقسیم کے بعد مسلمانوں کے پاس صرف چھلکا اور قشر باقی رہ جاتا تھا اور مغز ہندوستان سے جاتا تھا جو تقسیم لیگ کی ۱۹۴۰ء والی قرارداد کے سراسر خلاف تھی۔ وہ آج کیوں کر ایسی برکات و حسنات کا سرچشمہ بن گئی کہ دس کروڑ مسلمانوں کے ہاتھ اس پر دعائے خیر کے لئے آسمان کی طرف بُلند ہونے لگے؟

یہ ارشاداتِ عالیہ آج بھی سب کے سامنے موجود ہیں۔ اگر یہی پاکستان تھا جو آج ملا ہے تو یہ تو تین برس پیشتر کانگریس کی رضامندی سے مل رہا تھا۔ یا تو ان ارشادات کو دھو ڈالئے یا پھر یہ اعتراف کیجئے کہ جو کچھ ملا ہے وہ مغز نہیں بلکہ صرف قشر ہے اصل نہیں بلکہ محض نقل ہے اور قراردادِ لاہور سے اسے کوئی مناسبت نہیں۔ ہمارے اخبار نویس اپنے مقالوں پر خطِ تنسیخ کھینچ سکتے ہیں۔ جو کچھ کل فرما رہے تھے اسے غلط قرار دیئے بغیر اس کے خلاف لکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس روشنی کے سامنے کیوں کر پردہ تان سکتے ہیں جو قائدِ اعظم کے مطلعِ فکر و نظر پر ستمبر ۱۹۴۴ء میں جلوہ گر ہو کر دُنیا کے لئے وجہِ بصیرت بنی تھی۔ اگر صوبوں کی قطع و بُرید ۱۹۴۴ء میں لیگ کی قراردادِ لاہور کے سراسر خلاف تھی تو وہ آج کیوں کر اس کے مطابق بن گئی؟ صرف اس سوال کا شافی جواب دے دیجئے پھر جو کچھ جی میں آئے فرماتے رہیئے۔

اگر ہماری یہ گزارش جسارت پر مبنی نہ سمجھی جائے تو ان مسلمانوں کی رائے بھی معلوم کر لیجئے جن کو قومیت کی بلند سطح سے گرا کر "سب نیشنل" بنایا گیا ہے اور پنجاب میں ایسے ۲۸½ لاکھ مسلمان ہیں۔ یہ شُبہ ظاہر کیا تھا کہ شاید گاندھی جی اس طرح کسی نئے مرکز کی تشکیل چاہتے ہیں وہاں یہ بھی فرمایا تھا کہ:

" باقی رہا دونوں دولتوں (پاکستان اور ہندوستان) کے تحفظ کا معاملہ یا جُغرافیائی اتصال

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی
شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ (انڈیا)

(دوسری قسط)

خصوصیات صحابہ رضی کرام، قرآن کی روشنی میں

توحید کا تحفظ

صحابہ کرام کے فطری اسلام کی وضاحت ہمیں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی زندگی کے تین اہم واقعات میں ملتی ہے۔ جن میں ان حضرات نے نہ صرف اسلام کے بنیادی رکن توحید پر استقامت دکھائی بلکہ توحید الٰہی کے تحفظ کا حق ادا کیا۔

١۔ پہلا واقعہ حضرت عمرؓ کا حجر اسود کو خطاب کرنے کا ہے۔

٢۔ دوسرا واقعہ صلح حدیبیہ کے ببول کے درخت کا کٹوانا ہے۔

٣۔ تیسرا واقعہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول۔ بحمد اللہ لا بحمدک۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کا جذبۂ وحدانیت جوش میں آگیا، خیال آیا کہ اس مرکز توحید میں ایک پتھر کی یہ اہمیت کہ اسے چوما جا رہا ہے۔ عوام کے لئے یہ تعظیم فتنہ بن سکتی ہے، اس کا دروازہ بند کیا جائے۔ جوش میں آکر حجرِ اسود کو مخاطب کر کے فرمایا۔

والله انک حجر، لا تنفع ولا تضر

خدا کی قسم! اے حجر اسود، تو صرف ایک بے اختیار پتھر ہے، تیری ذات سے نہ کسی کو نفع پہنچتا ہے اور نہ نقصان پہنچتا ہے۔

اس نعرۂ وحدت میں حضرت خلیل اللہ کی دعوتِ توحید کا جلال پوشیدہ تھا، جب آپ نے فرمایا تھا۔

وتالله لا كيدن اصنامكم بعد ان تولو مدبرين O فجعلهم جذا ذاً الا كبيراً لهم لعلهم اليه يرجعون O (انبیاء ۵۷۔ ۵۸)

خدا کی قسم! تمہاری باطل عقیدت کو توڑنے کے لئے تمہارے جانے کے بعد میں ان بتوں کی خبر لوں گا، چنانچہ ابراہیمؑ نے ایک بڑے دیوتا کو چھوڑ کر سب کا چورا چورا کر دیا۔

پھر فرمایا۔

اے حجر اسود! میں تجھے صرف اس لئے چومتا ہوں کہ میں نے اپنے نبی کو چومتے دیکھا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جس ببول کے درخت کے نیچے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعۃ الرضوان لی تھی۔ اس درخت کی لوگوں نے زیارت شروع کر دی تھی، یقیناً وہ درخت بابرکت تھا۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اذ يبايعونا انک تحت الشجرة

لیکن دور اول میں اس کی زیارت کا اہتمام مستقبل میں اس کی پرستش کی صورت پیدا کر سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اس خطرہ کا احساس فرمایا اور عقیدہٗ توحید کی حفاظت کی خاطر اسے کٹوا دیا۔

بزرگوں کے آثار کی تعظیم درست ہے لیکن اگر اس میں عوام کی طرف سے عقیدت مندی کے غلبہ کا اندیشہ ہو تو اس میں حد درجہ احتیاط کرنا ضروری ہے۔

حضرت عمرؓ کو فتح مکہ کے موقعہ پر حضورؐ کا یہ ارشاد گرامی یاد تھا کہ آپؐ نے فرمایا، آج میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں لوگوں کو اپنے ہاتھ سے زم زم کا پانی پلاؤں اور یہ خدمت انجام دوں لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ میرے بعد لوگ اسے میری سنت قرار دے کر اس پر عمل شروع کر دیں گے اور لوگوں کے لئے پریشانی پیدا ہو جائے گی۔

تیسرا واقعہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کا ہے۔

منافقین کی طرف سے لگائی جانے والی تہمت کے بعد جب رسول پاکؐ اور خانوادہٗ صدیق کے ایمان کی آزمائش پوری ہو گئی تو حضرت صدیقہ کی صفائی میں قرآن کریم نازل ہو گیا۔

رسول اکرمؐ حضرت صدیقہؓ کے پاس ان کے میکے میں تشریف لے گئے۔ سیدہ صدیقہؓ کو بشارت سنائی، والدہ ام رومان نے کہا۔

قومی الیہ...... بیٹی کھڑی ہو جاؤ اور حضورؐ کا شکریہ ادا کرو، حضرت صدیقہؓ نے فرمایا۔

لا احمدہ ولا احمد کما ولکن احمد اللہ الذی انزل براءتی

میں نہ رسول پاکؐ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور نہ آپ دونوں کا بلکہ اس خدا کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری صفائی میں قرآن نازل کیا۔

حضرت صدیقہؓ کے جواب میں گستاخی کا پہلو نہیں بلکہ جلال توحید کا وہ رنگ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے اس قول میں نظر آ رہا ہے۔

حسبی سوالی علمہ بحالی...... مجھے کسی کی امداد نہیں چاہیئے، میرا رب کافی ہے۔

رسول پاکؐ نے بھی حضرت صدیقہ کے جواب کو گستاخی نہیں سمجھا بلکہ اسے شانِ توحید کے جلال پر محمول کیا، حضرت عائشہؓ کے مزاج سے حضورؐ واقف تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے، عائشہ! میں تمہارے مزاج سے خوب واقف ہوں، جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتی ہو...... ورب محمدؐ...... قسم ہے محمدؐ کے خدا کی اور جب ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ...... ورب ابراہیم...... قسم ہے ابراہیم کے خدا کی۔

اصولی جماعت کی بنیاد، توحید فی الحکم، قانونی برتری

امت مسلمہ اور ایک اصولی جماعت کی بنیاد توحید فی الحکم کے عقیدہ پر قائم ہوتی ہے اور توحید کی یہ قسم نہایت نازک اور اہم ہے۔

توحید فی الحکم کا مطلب یہ ہے کہ حکم دینا، شریعت وضع کرنا اور مخلوق کے لئے زندگی کا نظام بنانا صرف خداوند قدوس کا حق ہے، نبی و رسول حکم خداوندی کے شارح (قولی گواہ) اور شاہد (عملی گواہ) ہوتے ہیں۔

نبیؑ شریعت ساز نہیں ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل (حدیث و سنت) کے ذریعہ

شریعت کے احکام و عبادات میں جو تفصیلی ہدایات دیں وہ بھی وحی الٰہی کی روشنی میں دیں۔

علماء دین نے وحی کی دو قسمیں کی ہیں..... ایک وحی متلو..... اور دوسری وحی غیر متلو...... یعنی قرآن کریم...... اور حدیث نبوی۔

توحید فی الحکم کی بنیادی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے جس صحابی رسول کو خدا تعالیٰ نے منتخب کیا وہ حضرت عمرؓ فاروق ہیں۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کرنے میں اپنے آپ کو پیچھے ہٹا لیا، یہ حق و باطل کی سیدھی ٹکر تھی، اس میں حق کے نمائندہ کا پسپائی پر راضی ہوجانا بڑا اہم مسئلہ تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جزوی معاملات میں اپنی رائے یا صحابہ کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کر لیتے تھے۔ لیکن یہ معاملہ بنیادی تھا۔ اس میں کیا حضورؐ نے اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کیا اور کیا یہ حق حضورؐ کو حاصل تھا؟

حضرت عمرؓ کے دل میں یہی اصولی سوال پیدا ہوا اور اس سوال کو حل کرنے کی غرض سے خدا نے آپ کے دل میں جذبۂ حق پیدا کیا اور آپ نے حضورؐ سے سوال کیا۔

یارسول اللہ! اولسنا بالمسلین اولیسوا بالمشرکین؟ قال علیہ السلام "بلیٰ" قال فعلام لعطی ألدنیتہ فی دیننا؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم..... انا عبداللہ ورسولہ لن اخالف امرہ ولن یصنلعنی

(ابن کثیر ۱۹۶ جلد ۴)

اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگ اہل اسلام اور وہ لوگ مشرکین نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں؟ (بالکل ایسا ہی ہے) حضرت عمرؓ بولے " تو پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں ایسی ذلت و پسپائی کیوں برداشت کر رہے ہیں، اس پر آپؐ نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول، نہ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتا ہوں اور نہ وہ مجھے ناکام ہونے دے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دینی فراست نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اقدام کرنے کے معاملہ میں اہم رول ادا کیا لیکن اس سے زیادہ نازک قانونی مسئلہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ کے اضطراب کو یہ کہہ کر دور کرنے کی کوشش کی کہ

الزم غرذہ حیث کان

عمرؓ! حضورؐ کی رکاب پکڑے رہ جس طرح ہوسکے۔

یعنی صدیق اکبر نے..... آمنا و صدقنا........ کا مقام اختیار کیا حضورؐ نے حضرت عمرؓ کا اضطراب دیکھ کر اسے اصولی انداز سے دور فرمایا۔

حضورؐ اپنی پیغمبرانہ فراست سے سمجھ گئے کہ عمرؓ کہاں بول رہے ہیں، پھر عمرؓ جہاں بول رہے تھے، حضورؐ نے اسی کے مطابق جواب دیا، فرمایا۔

عمرؓ! میں خدا کا رسول اور اس کا بندہ ہوں، میں خدا کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا، یقیناً وہ مجھے برباد نہیں کرے گا۔

مسئلہ صاف ہو گیا کہ مشرکین کے مقابلہ میں حدیبیہ کی مغلوبانہ صلح اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہوئی۔ صرف حضورؐ کی ذاتی رائے سے نہیں ہوئی۔

حضرت عمرؓ یہ ضرور فرماتے ہیں کہ

ماذلت اصوم و اصلی و اتصدق واعتق من الذی صنعت مخافتہ کلامی الذی تکلمت بہ یومئذ حتیٰ رجوت ان یکون خیراً

(میں نے اس دن کی گفتگو کو سوء ادب سمجھ کر اس کے کفارہ کے لئے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، صدقہ دیا، غلام آزاد کئے۔ یہاں تک کہ مجھے امید ہے کہ یہ سب نیکیاں قبول کی جائیں گی)

لیکن یہ فرمانا حضرت عمرؓ کا تواضع کے طور پر تھا۔۔۔ درحقیقت اس میں جو دینی مصلحت پوشیدہ تھی اسے اوپر واضح کیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کے ساتھ وفات رسولؐ کے موقع پر قرطاس کا جو واقعہ پیش آیا اس کا تعلق بھی اسی دینی مصلحت سے ہے۔

حضرات صحابہ کرام کے سامنے شرک فی الحکم کے سلسلہ میں سورہ توبہ (۳۱) کی وہ آیت موجود تھی جس میں نو مسلم عیسائی حضرت عدی ابن ابی حاتم کو خلجان پیدا ہوا تھا اور حضورؐ نے ان کے خلجان کو دور کرتے ہوئے فرمایا تھا...... عدی! کیا تم اپنے علماء و مشائخ کو شریعت ساز نہیں قرار دیتے، انہوں نے کہا جی ہاں، یہ بات تو ہے اس پر آپ نے فرمایا۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ

کا یہی مطلب ہے۔

توحید فی الحکم

کی چند مثالیں اور ہیں۔

۱۔ حضرت بریرہؓ اور مغیث صحابی کا واقعہ۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ اور یہود خیبر کا واقعہ۔

۳۔ میدان جہاد (مدین) کے گمنام مجاہد کا واقعہ۔

حضرت عبداللہ ابن رواحہ!

حضرت عبداللہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خیبر کے یہودیوں سے جزیہ کی رقم وصول کرنے کے لئے بھیجا، یہودی ایک رشوت خور اور سود خور جماعت تھی۔ اس نے اسلامی عامل حضرت عبداللہ کو پیسہ کا لالچ دے کر کہا۔

عبداللہ! ایسا کرو کہ جزیہ کی جو رقم تشخیص ہو اس کا آدھا حصہ تو تم مدینہ لے جاؤ اور آدھے حصہ میں سے ایک حصہ ہمارے لئے چھوڑ دو اور ایک حصہ اپنے پاس رکھ لو۔ اس طرح کچھ فائدہ تم کو بھی ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔۔ رسول پاکؐ کے اس عامل نے اس کا یہ جواب دیا۔

اے یہود! رسول پاکؐ کی محبت اور تمہاری عداوت دونوں میں سے کوئی چیز مجھے خیانت کرنے پر آمادہ نہیں کرسکتی۔

حضورؐ کی محبت میں تمہیں نقصان پہنچاؤں یا تمہاری عداوت میں حضورؐ کو فائدہ پہنچاؤں یہ مجھ سے نہیں ہوگا میرے ایمان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔

عبد اللہ ابن رواحہ کے کام پر کوئی جاسوس مقرر نہیں تھا وہ جو کچھ کرتے کرسکتے تھے لیکن مالک یوم الدین پر ان کا ایمان تھا اس نے انہیں دولت کی طمع سے بچالیا

یحلفون لکم لترضوا عنھم فان ترضوا عنھم فان اللہ لا یرضیٰ عن القوم الفاسقین۔ (توبہ ۹٦)

یہ منافقین اگر جھوٹی قسمیں کھا کر اے نبی! تمہیں راضی بھی کرلیں تو اس سے کیا ہوتا ہے، خدا تعالیٰ تو ان نافرمانوں سے راضی نہیں۔

حضرات صحابہ کے اندر اس آیت پاک کا یقین موجود تھا۔

حضرت بریرہؓ!

حضرت بریرہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تربیت یافتہ باندی تھیں جنہیں آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا۔

حضورؐ نے بریرہؓ کا نکاح حضرت مغیثؓ کے ساتھ کردیا بریرہؓ ایک حسین خاتون تھیں اور مغیثؓ ایک سیاہ فام شخص تھے شریعت کا قانون ہے کہ باندی آزاد ہونے کے بعد غلامی کے دور کا نکاح توڑ سکتی ہے۔

چنانچہ جب حضورؐ نے بریرہؓ کو آزاد کیا تو انہوں نے مغیثؓ سے ترک تعلق کا فیصلہ کرلیا، مغیثؓ نے بہت اصرار کیا مگر وہ باز نہیں آئیں ------ حضورؐ نے بریرہؓ کو مشورہ دیا کہ یہ نکاح قائم رکھیں مگر بریرہؓ نے حضورؐ کو نہایت قانونی قسم کا جواب دیا ----- بولیں۔

حضورؐ! یہ آپ کا ذاتی مشورہ ہے یا شریعت کا حکم ہے آپؐ نے فرمایا ------- میرا ذاتی مشورہ ہے، بریرہؓ بولیں، تو پھر حضورؐ! میں اسے قبول کرنے سے معذور ہوں ---- آپؐ نے سکوت فرمایا -------- اور بریرہؓ نے وہ رشتہ توڑ دیا۔

بریرہؓ حضرت عائشہؓ جیسی محدثہ اور فقیہ خاتون کی تربیت میں رہ چکی تھیں، صحابہؓ میں حضرت عائشہؓ کی قانون دانی مشہور ہے، اسی تربیت کا اثر تھا کہ بریرہ نے قانونِ شریعت کے سہارے حضورؐ کا ذاتی مشورہ قبول نہیں کیا۔

ایک عورت کو شریعت اسلامیہ نے جو قانونی قوت عطا کی ہے، اس کا اظہار بھی اس واقعہ سے ہورہا ہے۔

ایک باندی کا ذاتی مشورہ قبول کرنے سے انکار کرنا نہ تو حضورؐ کے لئے باعث تکدر ہوا اور نہ جماعت صحابہؓ نے اسے سوء ادب سمجھا کیونکہ قانون کی بخشی ہوئی آزادی کا احترام بہرحال مقدم تھا اور ایسے نمونے بھی قائم ہونے لازم تھے۔

حضرت زینبؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ نکاح کا جو پیغام دیا

اور اسے حضرت زینبؓ نے شروع میں نامنظور کردیا تو اس کی صورت یہ تھی کہ حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے حضورؐ کے پیغام کو حضور کا ذاتی مشورہ سمجھا اور قریش کی ایک معزز خاتون نے ایک غلام کے ساتھ رشتۂ نکاح کو عرب معاشرہ کے رسم و رواج کے لحاظ سے معیوب تصور کیا-------- لیکن جب قرآن کریم کی آیات ----- وما کان لموسن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ الخ (احزاب ۳۶) نازل ہوئیں اور قرآن نے بتایا کہ یہ پیغام رسول پاکؐ کے حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور خدا اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی ایک مومن مرد اور مومن عورت کے لئے جائز نہیں ہے تو پھر حضرت زینبؓ اور انکے بھائی نے سر تسلیم خم کردیا اور یہ نکاح ہو گیا۔

یہ الگ بات ہے کہ بعد میں ناموافقت کی وجہ سے یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔

مدین کے گمنام مجاہد کا واقعہ!

فارس کے غزوہ میں جب مدین فتح ہوا تو ایک مجاہد کو دشمنوں کے سامان میں فارس کے حکمران کسریٰ کا بیش قیمت تاج ملا، یہ مجاہد اس تاج کو لے کر لشکر کے سپہ سالار حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت سعد نے اس قیمتی تاج کو دیکھا اور اس لانے والے ایماندار مجاہد کو دیکھا پھر فرمایا، تمہارا نام کیا ہے؟

اس مجاہد نے سعدؓ کی طرف سے منہ موڑا اور دروازہ کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا--------- میرے نام و نشان سے آپ کو کیا غرض-------- جس خدا سے مجھے اس نیک عمل (ایمانداری) کا اجر درکار ہے وہ میرے نام و نشان سے خوب واقف ہے۔

اتنے اہم کارنامہ کا انجام دینے والا کون تھا؟ آج تک کسی کو معلوم نہیں، اس صاحبِ اخلاص مجاہد نے یہ واقعہ بعد میں بھی کسی سے بیان نہیں کیا۔ کیونکہ اگر بیان کرتے تو سننے والا اسے نقل کرتا اور تاریخ میں یہ واقعہ محفوظ ہوجاتا ہے۔

حضرت سعدؓ نے بھی صرف اس کی صورت دیکھی نام سے وہ بھی بے خبر ہی رہے، صحابہ کرام اپنا معاملہ اس ذاتِ حق سے رکھتے تھے جس پر ان کا ایمان تھا اور قرآن کریم نے اس جماعت کے بارے میں صحیح کہا ہے۔

یبتغون فضلاً من اللہ و نعمتہً

جماعت صحابہ کی اسی اصول پسندی اور احترام قانون کی صفت نے مسلمانوں کے اندر شاہی خاندان کے تصو[ر] کو پھیلنے سے روکا۔ اور شیطانی قوتوں نے جماعت صحابہ کے اندر منافقین داخل کردیئے تو پھر فتنہ و فساد کا وہ چکر چلا [کہ] آج تک امت اس میں پھنسی ہوئی ہے۔

شاہی خاندان!

صحابہ کرام کی سب سے بڑی خدمت اسلام یہ ہے کہ ان حضرات نے امت مسلمہ کو شاہی خاندان بننے سے روکا۔

اور یہی کارنامہ ایک طبقہ کے نزدیک وجہ شکایت ہے۔

بنی اسرائیل کے یہود نے اپنے آپ کو شاہی خاندان قرار دیا اور نحن ابناء اللہ و احباءہ کا نعرہ لگایا----!

جھوٹے فخر نے ان پر اخلاقی موت طاری کردی اور ان کے ساتھ ہی توراۃ کی شریعت بھی ایک داستان پارینہ بن گئی۔
اس کے مقابلہ میں مجموعی اور اجتماعی حیثیت سے امت مسلمہ اپنی خصوصیات پر قائم ہے اور اسلام ایک زندہ اور پائندہ نظام حیات کے طور پر موجود ہے۔

احترام صحابہ امر تعبدی!

حضرات صحابہ کی یہ خصوصیات ان کے غالب افراد اور اکثریت کے لحاظ سے ہیں، ورنہ بشیریت کے تحت اس مقدس جماعت میں بعض افراد ایسے بھی تھے جن سے کمزوریوں کا صدور ہوا۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ صحابہ کا احترام امر تعبدی ہے۔
یعنی شریعت کا دو ٹوک حکم ہے جس میں عقل و قیاس کے دخل کی اجازت نہیں۔
یہ بات بھی صحابہ کرام کی غالب اکثریت کے لحاظ سے کہی گئی ہے۔
بعض افراد جو صحابیت کی تعریف کا مصداق ضرور تھے۔ گر انہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تربیت حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا اس لئے ان سے بعض کبیرہ غلطیوں کا صدور ہوا۔ لیکن ان افراد نے بھی ارتکاب گناہ کے بعد اپنے آپ کو حدود اللہ قائم کرنے اور ان گناہوں سے پاک کرنے کے لئے جس طرح پیش کیا تاریخ میں ان واقعات کی مثالیں ملنی مشکل ہیں۔
جماعت صحابہ کے وہ بعض افراد جن پر حد شرعی جاری ہوئی وہ پانچ چھ سے زائد نہیں، اور ان کا تعلق بھی ان قبائل سے تھا جو رسول پاکؐ کی تعلیم و تربیت سے برائے نام ہی فائدہ اٹھا سکے تھے۔
ان میں قبیلہ اسلم کے بعض مرد (ماعز اسلمی) اور بعض غیر معروف خواتین شامل تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے بارے میں احترام قانون کی سختی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو شارح دین اور شاہد دین تھے وہ مومنِ دین بھی تھے۔ حضورؐ کو بھی آمرِ مطلق اور حاکم حقیقی کی طرف سے قانونِ الٰہی اور شریعت خداوندی پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
حضرت ابراہیمؑ نے جس امتِ مسلمہ کے لئے دعاء کی تھی آپ کی ذات مقدس بھی اس امت میں داخل تھی۔
اس امتِ مسلمہ میں جس رسول کی بعثت کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے درخواست کی تھی اس کے الفاظ بھی یہی تھے۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم

اس امت میں سے ان کی ہدایت کے لئے ایک رسول مبعوث فرمایا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت خداوندی کے مطابق اپنے آپ کو اوّل المسلمین (انعام ۱۶۳) فرمایا۔
آپ کو حکم دیا گیا۔ قل امنت بما انزل اللہ من کتاب (الشوریٰ ۱۵)
ے نبی! اعلان کر دو کہ میں خود بھی خدا کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا ہوں۔ اور مجھے بحیثیت ایک نائب و خلیفہ تمہارے اندر انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وامرت لاعدل بینکم اللہ ربنا و ربکم (الشوریٰ ۱۵) (بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

محمد اکرام تائب

نعتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

کبھی تو آئے گی مجھ کو صدا مدینے کی
کبھی قبول تو ہو گی دعا مدینے کی

بس اس امید پہ مر مر کے جی رہا ہوں میں
کبھی دکھائے گا بستی خدا مدینے کی

فراقِ یار میں جلتا ہوں اب تو کیا غم ہے
کبھی تو چھائے گی کالی گھٹا مدینے کی

میں چھو کے روضے کی جالی کو ہوش کھو دوں گا
مجھے جگائے گی بادِ صبا مدینے کی!

میں کور چشم ہوں چارہ گرو نہ فکر کرو
مرا علاج ہے خاکِ شفا مدینے کی

خدا سے اور کیا لینا ہے اس نے اے تائب
جسے نصیب ہو ایسی فضا مدینے کی

مصنف:- حضرت مولانا ابو ریحان سیالکوٹی

سبائی فتنہ (جلد اوّل)

ایک تہلکہ خیز کتاب

ایک علمی محاسبہ

ملنے کے پتے:- بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

شیخ فہیم اصغر فہیم چپل سٹور، قاضی مارکیٹ، تلہ گنگ

سید عطاء المحسن بخاری

کرب

ہوا کا شور الاماں
یہ سائیں سائیں جاں ستاں
مرے مکان کے چار سو ہیں زاغ زاغ
اور ان کی کائیں کائیں بے اماں
مرے نگر کے سب درخت سونے ہیں
یہ گویا جادو ٹونے ہیں
نہ فاختہ نہ ان پہ بلبلوں کے آشیاں
نہ قمریاں نہ ان کی سحر خیزیاں
نہ وہ سریلی بولیاں
پپیہوں کی وہ ہوک ہے نہ کوئلوں کی کوک ہے۔
گلاب ہے نہ تتلیاں نہ رات کی وہ رانیاں

یہ کیا ہوا کہ ہر طرف
عفونتیں
کدورتیں
شقاوتیں
عداوتیں
چار سو بغاوتیں
اپنی ساری قدروں سے بغاوتیں
بغاوتیں
جو جاں کے انگ انگ سے
ابل ابل کے پھیلتی ہیں چار سو
کہاں ہوں میں
میں اپنا آپ جان لوں
کہ روح کی تہوں میں جو چھپا ہے اس کو مان لوں
تو یہ زمین بہشت ہے

مولانا محمد عبدالحق چوہان

"ھزلیات رضوان"

اس وقت ڈاکٹر رضوان علی ندوی اور شاہ بلیغ الدین کے مبسوط مضامین ہمارے پیش نظر ہیں جو انہوں نے ایک دوسرے کے مضامین کے جواب اور جواب الجواب کی صورت میں تحریر کئے ہیں یہ سلسلہ مضامین ایک علمی مناظرہ پر محیط ہے جو کہ "ہفت روزہ تکبیر" (کراچی) کی مختلف اشاعتوں میں شریک اشاعت رہا ہے ڈاکٹر رضوان صاحب کا ایک دوسرا مضمون بھی پیش نظر ہے جو انہوں نے جناب ضیاءالدین کرمانی کے ایک مضمون کے جواب میں تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کا یہ عنوان ہے۔

"نبی کریم کی کفالت کس نے کی؟ جناب ابوطالب نے یا جناب زبیر بن عبدالمطلب نے" ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون ماہنامہ ترجمان القرآن (لاہور) بابت ماہ جون ۱۹۸۹ء میں شریک اشاعت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی عادت ہے کہ وہ اپنے مضامین میں "درمدح خود گوید" کے طور پر اپنا علمی تعارف خود ہی کراتے ہیں اور انکے مضامین پر اگر کوئی دوسرا شخص تبصرہ کرنا چاہے یا وہ خود کسی کے مضمون پر تبصرہ کرنا چاہیں تو اس کا تعارف بھی ضرور کرانا چاہتے ہیں۔ اب اس مضمون میں بھی وہ جناب کرمانی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

ضیاءالدین کرمانی صاحب علمی دنیا اور تصنیف و تالیف کے میدان میں پہلے سے کوئی جانی پہچانی شخصیت نہیں ہیں کتاب میں مؤلف کا جو تعارف لکھا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے تقسیم ہند سے کافی پہلے عربی میں ایم اے کیا تھا پھر چند سال وہیں عربی و اسلامی تاریخ پڑھائی اور اپنا تعارف کراتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

کاتب سطور کا تعلق بھی عربی زبان اور اسلامی علوم و تاریخ سے ہے یونیورسٹی کی بیشتر تعلیم بھی ایک عرب ملک میں ہوئی ہے اور کیمبرج سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد تقریباً چوتھائی صدی تک عرب ملکوں کی مختلف یونیورسٹیوں میں عربی زبان اور اسلامی تاریخ و تمدن وغیرہ کے مضامین پڑھاتا رہا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب اپنے ایک دوسرے مضمون میں جس کا عنوان ہے "جواب آں غزل" جو کہ "ترجمان القرآن" بابت نومبر ۱۹۸۹ء میں شریک اشاعت ہے اپنے مضمون کے ایک ناقد تبصرہ نگار کا تعارف کراتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

آپ کافی معمر اور بزرگ آدمی ہیں اپنا خاص تعارف آپ نے نہیں کرایا صرف عمر ۷۲ سال لکھی ہے اور ڈاکٹر صاحب اپنے تعارف کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

آپ کو غالباً معلوم نہیں ہے کہ میں نے دمشق یونیورسٹی میں پڑھا ہے اور کیمبرج سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے بعد ۲۴ سال تک عرب یونیورسٹیوں میں اسلامی تاریخ پڑھائی ہے۔ آپ نے جس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے یہ میرا پیشہ ہے میرے ماخذ اصلی عربی ہیں۔ آپ شاید اصل مراجع کو نہ دیکھ سکے ہوں۔ اور ڈاکٹر صاحب اپنے ایک اور

مضمون جو کہ "خانوادۂ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت" کے عنوان سے ہفت روزہ تکبیر ۱۷ مئی ۱۹۹۰ء میں شریک اشاعت ہے اپنا تعارف کراتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

پھر مضمون نگار معترض یہ بھول گئے کہ ندوہ کا یہ ناچیز طالب علم حجاز مقدس اور مصر میں ازداد تعلیم کے بعد دمشق یونیورسٹی اور پھر کیمبرج میں ڈاکٹریٹ کا طالب علم بھی رہا ہے ندوہ میں، تو اس نے صرف ایک سال گزار کر "عالمیہ" کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن عرب ممالک میں اس نے اپنی تعلیم کے آٹھ سال گزارے تھے پھر یہی طالب علم لیبیا سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں ۲۴ سال تک اسلامی تاریخ و تمدن کا پروفیسر بھی رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اس تعلی آمیز تعارف پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد عزیز صاحب اپنے ایک مضمون میں جو کہ "ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب کی خدمت میں چند مؤدبانہ گزارشات" کے عنوان سے ہفت روزہ تکبیر ۲۴ مئی ۱۹۹۰ء میں شریک ہے۔ تحریر کرتے ہیں کہ

"غالباً ڈاکٹر رضوان علی صاحب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ بقول خود عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ بلاد عرب میں گزار کر اب پاکستان واپس آئے ہیں بطور تفاخر وہ بار بار اس کا اظہار کرتے ہیں گویا کہ وہ اردو میں لکھنا اپنا مقام سے فروتر سمجھتے ہیں۔ اور شاہ بلیغ الدین وغیرہ جیسے لوگوں کے مقابلہ میں وہ خود نہایت اعلیٰ سطح اور مقام بلند پر کھڑے ہیں اور بدقسمتی سے اب عجمیوں اور کم علم حضرات سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ میری دانست میں تفاخر کسی قسم کا ہو ایک عالم و محقق کیلئے زیبا نہیں"۔

ہم اس وقت اپنے اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب کے مضمون "نبی اکرم کی کفالت کس نے کی؟ جناب ابو طالب نے یا جناب زبیر بن عبدالمطلب نے" پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ ماہنامہ "ترجمان القرآن جون ۱۹۸۹ء" میں شریک اشاعت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے قانون کے مطابق اس ناچیز کا تعارف یہ ہے "میں ایک دیہاتی دہقان پیشہ زراعت سے منسلک ہوں"

ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون درحقیقت ضیاء الدین کومانی کی اس تحقیق کی تردید میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت جناب زبیر بن عبدالمطلب نے کی تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس تحقیق کا تعلق تاریخی مباحث سے ہے۔ اس کو عقائد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کفالت کا شرف ابوطالب کو حاصل ہوا اور جناب زبیر بن عبدالمطلب طبعی طور پر اس قابل ہی نہیں تھے کہ انہیں یہ شرف حاصل ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب نے اثبات مدعا کیلئے البلاذری کی انساب الاشراف کے حوالہ سے تین روایات نقل کی ہیں ایک یہ کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد زبیر اور ابوطالب کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی کہ ان میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کریگا۔ قرعہ ابوطالب کے نام نکلا سو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی نقل کردہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کے متعلق جناب عبدالمطلب کی کوئی وصیت نہیں تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو زبیر پر ترجیح دی کیونکہ وہ دونوں چچاؤں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس روایت سے بھی وصیت والی روایت کی نفی ہوتی ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ خود عبدالمطلب نے یہ وصیت کی کہ وہ یعنی

ابوطالب ان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کریں۔

ولما احتفر عبدالمطلب جمع بنيه فاو صابهم برسول الله صلى الله عليه وسلم و كان الزبير بن عبدالمطلب و ابو طالب اخوى عبدالله لامه و ابيه وكان الزبير اسنهما فاقترع الزبير و ابوطالب ايهما يكفل رسول الله صلى الله عليه وسلم فاصابت القرعه فاخذه اليه. ويقال بل اختاره رسول الله صلى الله عليه وسلم على الزبير و كان الطف عميه به. ويقال بل اوصاه عبدالمطلب بان يكفله بعده (انساب الاشراف صفحه ۸۵ ج۱)

ترجمہ:- جب عبدالمطلب کی جان کنی کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کی ہدایت کی۔ زبیر بن عبدالمطلب اور ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبداللہ کے سگے بھائی تھے۔ زبیر ان میں بڑے تھے سو زبیر اور ابوطالب کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی کہ ان میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرے گا۔ قرعہ ابوطالب کے نام نکلا سو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو زبیر پر ترجیح دی کیونکہ وہ دونوں چچاؤں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود عبدالمطلب نے یہ وصیت کی کہ وہ یعنی ابوطالب ان کے بعد آنحضرت کی کفالت کریں۔

ان متضاد روایات کو نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے آخری روایت کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے وجود ترجیح کو بیان نہیں کیا اور ساتھ ہی یہ بیان کیا ہے کہ خود مصنف یعنی بلاذری کے نزدیک یہ روایت ہے۔ کیونکہ بلاذری نے اس روایت کو لفظ "یُقالُ" سے تعبیر کرکے اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اگر عمق نظر سے دیکھا جائے تو یہ تینوں روایات درجۂ استناد سے ساقط ہیں کیونکہ پہلی دو روایات وصیت والی روایت کی نفی کرتی ہیں۔ اور وہ دونوں روایات اپنے تضادِ مفہوم کے باعث خود درجۂ تساقط میں ہیں اور تیسری روایت خود بلاذری کے نزدیک مرجوح ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب اپنے ایک دوسرے مضمون میں جو کہ ہفت روزہ تکبیر ۲۸ دسمبر ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں شریک اشاعت ہے علامہ آلوسی کی کتاب "بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب" کے حوالہ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ "زبیر بن عبدالمطلب شاعر تو بہت اچھے تھے مگر سخت ہجوگو۔ یہاں تک کہ لوگ ان کی فحش گوئی سے ڈرتے تھے" پھر آلوسی کے اس قول پر اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

پھر کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ اللہ تعالی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن اور ابتدائے جوانی میں تربیت ایک فحش گو شاعر پر چھوڑ دیتا۔ اس نبی آخر الزمان کی تربیت کو جس کو انسانیت کیلئے نمونہ اخلاق بننا تھا۔ یہ ایک انتہائی لغو بات ہے۔ اور اس کے پیچھے صرف یہ جذبہ کار فرما ہے کہ چونکہ مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ ابوطالب کی تعریف میں غلو کرتا ہے اور ان کو صاحب ایمان قرار دیتا ہے۔ تو ہم ان کے مقابلہ میں زبیر بن عبدالمطلب کو کھڑا کر دیں جن کا کسی ایک مورخ نے بھی اس حیثیت سے ذکر نہیں کیا۔ جمہور اہل سنت کی طرح میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا مگر وہ زبیر بن عبدالمطلب سے ہزار درجہ قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے باتفاق امت اسلامیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا اور انتہائی محبت و تکریم کا برتاؤ کیا۔

یہ ہیں ڈاکٹر رضوان صاحب کے جناب زبیر بن عبدالمطلب کے متعلق بیہودہ جذبات کہ جن پر تبصرہ کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

جناب زبیر کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کس قدر شفقت تھی اس کا اندازہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کو ابن حجر نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے۔

ویقال ان الزبیر بن عبدالمطلب کان یرقص النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو صغیر یقول محمد بن عبدم، عشت بعیش انعم، فی عز فرع اسنم (الاصابه صفحه ۳۰۸، ج۲)

ترجمہ:- کہا جاتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وہ چھوٹے بچے تھے جھلایا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ یہ میرے عبداللہ کی نشانی ہے بڑے عیش و آرام سے جئے اور بڑی اعلیٰ عزت و توقیر پائے۔

اور علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ السہیلی رحمہ اللہ تعالی المولود ۵۰۸ھ المتوفی ۵۸۱ھ اپنی مشہور کتاب "الروض الانف" میں جناب زبیر بن عبدالمطلب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

و کان الزبیر رضی اللہ عنه یکنی اباالطاھر بابنه الطاھر و کان من اظرف فتیان قریش وبه سمی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ابنه الطاھر، و اخبر الزبیر عن ظالم کان بمکته انه مات فقال بای عقوبة کان موته فقبل مات حتف انفه فقال و ان فلابد من یوم ینصف اللہ فیه المظلومین ففی ھذا دلیل علی اقراره بالبعث.(ص ۴۸ ج ۱ تحت عنوان اولاد عبد المطلب بن ہاشم)

ترجمہ۔ زبیر کی کنیت اپنے بیٹے طاہر کی وجہ سے ابو طاہر تھی۔ اور زبیر قریش کے عقلمند نوجوانوں میں سے تھے اور ان کے بیٹے طاہر کے نام پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرامی قدر فرزند کا نام بھی طاہر رکھا۔ اور زبیر کو یہ اطلاع ملی کہ مکہ کا فلاں ظالم مرگیا ہے تو انہوں نے پوچھا کہ کس تکلیف سے مرا ہے تو ان کو کہا گیا کہ وہ اپنی طبعی موت مرگیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا پھر تو ایک دن ایسا ضرور ہی آئیگا کہ جس میں اللہ تعالی مظلوم انسانوں کیلئے ظالم سے بدلہ لیں گے۔ ان کا یہ قول اس بات پر برہان بین ہے وہ قیامت کے قائل تھے۔

علامہ سہیلی کی اس روایت سے ایک تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب زبیر بن عبد المطلب سے غایت درجہ کا انس تھا جسکی وجہ سے آپنے اپنے فرزند ارجمند کا نام ہی ان کے بیٹے کے نام پر رکھا اور یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ قیامت کے بھی قائل تھے۔ ان کی موت چونکہ زمانہ فترۃ میں واقع ہوئی تھی اسلئے وہ نبوۃ پر ایمان لانے کے مکلف نہیں تھے اور علامہ سہیلی کے طرز تحریر سے تو یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ علامہ کے نزدیک جناب زبیر "مومن" تھے کیونکہ ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کا لاحقہ اسی حقیقت کی طرف غماز ہے۔ اور اس روایت کے پیش نظر ڈاکٹر رضوان کا تعلی آمیز یہ قول کہ

"گروہ (یعنی ابوطالب) زبیر بن عبد المطلب سے ہزار درجہ قابل تعریف ہیں"

باطل اور مردود ہوجاتا ہے اور موثق تاریخی روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس چچا کے ساتھ تجارتی سفر بھی کیا تھا علامہ ابن جوزی اپنی معروف کتاب "الوفاء باحوال المصطفیٰ" میں تحریر کرتے ہیں

فلما اتت له بضع عشرة سنته خرج فی سفر مع عمه الزبیر فمروا بوادی فیه فحل من

الابل يمنع من يجتاز فارادوا الانحراف فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا اکفیکموه فدخل امام المرکب فلما رآه البعیر برک وحک الارض بکلکلته. فنزل عن بعیره و رکبه فسار حتی جاوز الوادی ثم خلیٰ عنه. فلما رجعوا من سفرهم مروا بواد مملوٴ ماء یتدق فوقفوا. فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتبعونی ثم اقتحمه و اتبعوه فأبس الله الماء فلما وصلوا الی مکته تحدثوا بذالک فقال الناس ان لهذا الغلام لشانا. (الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۱۰۱ ج ۱)

ترجمہ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھارہ انیس سال کے ہوئے تو اپنے چچا زبیر کے ساتھ سفر پر نکلے ان کا گذر ایک وادی پر ہوا وہاں ایک اونٹ تھا جو کہ وہاں سے گذرنے والے لوگوں کو روکتا تھا۔ قافلہ والوں نے جب اونٹ کی یہ کیفیت دیکھی تو وادی سے ایک طرف پھرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت گھبراؤ میں ہی اس اونٹ کیلئے کافی ہوں چنانچہ آپ قافلہ سے آگے ہو کر وادی میں داخل ہوگئے جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو بیٹھ گیا اور اپنی ٹھوڑی زمین پر رگڑنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ سے اتر کر اسی پر سوار ہو کر روانہ ہوگئے جب وادی سے گذر گئے تو پھر اسی اونٹ کو چھوڑ دیا۔ جب سفر سے واپس ہوئے اور پھر اسی وادی پر آئے تو وہ وادی اس وقت پانی سے بھری ہوئی تھی اور پانی ابل رہا تھا۔ قافلہ والے آ کر وہاں ٹھہر گئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پیچھے چلے آؤ آپ وادی میں داخل ہوگئے اور باقی قافلہ بھی آپ کے پیچھے وادی میں داخل ہوگیا۔ اللہ تعالی نے وادی کا پانی خشک کر دیا۔ جب یہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچے اور لوگوں کو یہ واقعات بیان کئے تو لوگ کہنے لگے کہ واقعی اس بچے کا عجیب شان ہے۔۔۔۔ اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس چچا کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ ایک اور روایت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس چچا کی زوجہ کو ماں کے ساتھ تعبیر کیا ہے او ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس چچا نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس زبیر بن عبد المطلب کے فرزند ارجمند حضرۃ عبد اللہ بن زبیر جو کہ صحابی ہیں ان کے متعلق روایات میں یہ واقعہ ہے کہ جب وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو اپنے ساتھ ہی بٹھلایا پوشاک پہنائی اور پھر فرمایا کہ یہ میری ماں کے لڑکے ہیں اور ان کا والد میرے ساتھ احسان کرنے والا تھا۔

وحکی المبرد فی الکامل ان عبد الله بن الزبیر اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فکساه حله و اقعده الی جنبه و قال انه ابن امی و کان ابوه بی براً. (الاصابه ص ۳۰۸ ج ۲)

ترجمہ۔ مبرد نے الکامل میں نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن زبیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے ان کو پوشاک پہنائی اپنے ساتھ بٹھلایا اور فرمایا یہ میری ماں کے لڑکے ہیں اور ان کا والد میرے ساتھ احسان کرنے والا تھا۔

اس روایت سے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جناب زبیر بن عبد المطلب کے زیر کفالت رہے تھے اسی بناء پر تو فرما رہے ہیں کہ وہ میرے ساتھ احسان کرنے والے تھے اور اسد الغابہ میں ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں

ں عمی وحبی)ص ۱۶۱ ج ۳

پ نے فرمایا کہ "یہ میرے چچا کے لڑکے اور میرے محبوب ہیں" یہ الفاظ بھی اس حقیقت کی طرف مشعر ں کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زبیر کے ساتھ خصوصی تعلق تھا یہ زبیر اتنے شریف النفس اور مظلوموں نے والے تھے کہ "حلف الفضول" کے اول داعی یہ تھے۔

لف الفضول اکرم حلف سمع به و اشرفه فی العرب و کان اول من تکلم به و ، الزبیر بن عبد المطلب (الروض الانف ص ۹۰ ج ۱)

عرب کے معاہدات میں سے بہترین معاہدہ حلف الفضول کا تھا اور سب سے پہلے اسکا داعی اور محرک عبدالمطلب تھے۔ اور اسی معاہدہ کے انعقاد کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا کے ساتھ ھے۔

ول الله علیه وسلم لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا ما احب ان لی النعم و لو دعی به فی الاسلام لاجبت (ابن ہشام ص۱۳۴ ج۱)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس حلف کے وقت عبد اللہ بن جدعان کے مکان میں موجود تھا مجھ کو سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھا اور اگر اسلام میں بھی کوئی ایسے عہد کی طرف بلائے تو میں قبول موجود ہوں۔

"حلف الفضول" کا منشور یہ تھا

وا علی ان لایجدوا بمکته مظلوما من اهلها و غیرهم ممن دخلها من سائر لا قاموا معه و کانوا علی من ظلمه حتی ترد علیه مظلمته. (ابن ہشام ص ۱۳۴ ج۱)

اور سب نے بالاتفاق اس بات کا معاہدہ کیا اور قسم اٹھائی کہ شہر مکہ میں ہم جس مظلوم کو پائیں گے کا باشندہ ہو یا باہر کا مسافر ہو اس کے ساتھ ہو کر ظالم سے اس کا معاوضہ لیں گے۔

ن جوزی کی تحقیق کے مطابق یہ معاہدہ حلف الفضول اس وقت ہوا جبکہ آپ بیس سال کی عمر میں تھے

ته عشرین من مولده کان حلف الفضول. (الوفاء باحوال المصطفیٰ ص۱۰۲

اور آپ کی ولادۃ کے بیسویں سال معاہدہ حلف الفضول ہوا

ب نے اثبات مدعیٰ کیلئے صحیح بخاری کی ایک حدیث پیش کی ہے جس کو اسکے مطلوب کے ساتھ کوئی تعلق ث یہ ہے

عباس بن عبد المطلب قال للنبی صلی الله علیه وسلم ما اغنیت عن عمک یحوطک و یغضب لک قال ہو فی ضحضاح من نار ولو لا انا لکان فی لاسفل من النار. صحیح بخاری ص۵۴۸ ج۱)

حضرۃ عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابو طالب نے آپ کی حفاظت کی

تو کیا اس کو اس عمل سے کوئی فائدہ بھی حاصل ہوگا آپ نے فرمایا کہ ہاں اسلئے کہ پہلے تو وہ جہنم کے درجہ
مستحق تھا میری وجہ سے اب وہ جہنم کے اوپر والے درجہ میں ہوگا جہاں جہنم کی آگ اسکے ٹخنوں تک ہوگی۔

یہ تو زمانۂ نبوت کی بات ہے جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کی کفالت کے محتاج نہیں
طالب خود ہی ان کی کفالت کا محتاج تھا۔ اور آپ کی ذات سے اس کا مدافعت کرنا چچا اور بھتیجے کے رشتہ
سے اس پر لازم ہی تھا۔ باقی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رسالت اور آپ کی نبوۃ کا انکار اور ملت
تصلب کے اعتبار سے وہ بھی کفار کی طرح مصر علی الکفر تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کی
دہی اور خیر خواہی کے اعتبار سے اس کے سامنے بھی اسلام اور دین حق کی دعوۃ پیش کی لیکن اس نے التزام
سے انکار کر دیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو اس عجیب انداز میں دعوۃ دین حق پیش کی

و انت ای عم احق من بذلت النصیحت و دعوۃ الی الھدیٰ و احق من اجابنی
اعاننی علیہ

ترجمہ۔ اور اے چچا تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ میں تمہارے واسطے نصیحت کو خرچ کروں
ھدایت کی طرف بلاؤں اور تم اس کے قبول کرنے اور میری امداد میں شریک ہونے کے حق دار ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشفقانہ انداز دعوۃ حق کو رد کرتے ہوئے ابو طالب نے کہا

فقال ابو طالب ای ابن اخی انی لا استطیع ان افارق دین آبائی و ما کانوا علیہ
ہشام ص ۲۴۷ ج ۱)

ترجمہ۔ اے میرے بھتیجے میں اپنے باپ دادا کے دین کو اور ان اعمال کو جن پر وہ تھے نہیں چھوڑ سکتا
اور پھر ابو طالب کی موت کے وقت آپؐ نے حد سے زیادہ اصرار کیا کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لو۔ لیکن ابو
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اصرار پر ابو جہل کے قول کو ترجیح دی۔ صحیح مسلم "باب الدلیل علی صحۃ
من حضرہ الموت مالم یشرع فی النزع" میں ہے

حضرت اباطالب الوفاۃ جاءہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد عندہ ابا
عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عم قل
الا اللہ کلمہ اشھد لک بہا عند اللہ فقال ابو جھل و عبد اللہ بن ابی ام
طالب أترغب عن ملت عبد المطلب فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ ویعید تلک المقالہ قال ابو طالب آخر ما کلھم ہو علی ملت عبد المطلب
ان یقول لا الہ الا اللہ. (مسلم مع فتح الملھم ص۸۸ ج۱)

ترجمہ۔ جس وقت ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس
لے گئے وہاں آپ نے ابو جہل اور عبد اللہ ابن ابی امیہ کو پایا آپ نے فرمایا کہ اے چچا کلمہ "لا الہ الا اللہ" کہہ دو
سامنے تیرے کلمہ کی گواہی دوں گا۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ نے کہا اے ابو طالب کیا تو عبد المطلب سے
روگردانی کرتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اصرار کرتے رہے اور کلمہ کی دعوۃ کو دہراتے رہے لیکن
نے جو آخری کلمہ کہا یہی کہا میں عبد المطلب کے دین پر مر رہا ہوں اور کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب اپنے ایک مضمون میں ابو طالب کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں

یہ بھی روایت ہے کہ آپ ان کی وفاۃ پر روئے اور چند روز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے (تکبیر ۲۸ دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۵۸)

بالکل درست اس کا کون انکار کرتا ہے آپ کو ابو طالب کی تیرہ بختی اور محرومیٔ قسمت پر افسوس تھا کہ جنت کے دروازے اس کے سامنے کھلے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی وہ اتنا بے نصیب ہے کہ کفر اختیار کر کے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنارہا ہے۔ ابو طالب کی بد قسمتی پر جتنا افسوس کیا جائے وہ کم ہے آخر میں ہم ڈاکٹر صاحب کی ایک انتہائی غلطی کی نشاندہی کرنا ضروری سمجھتے ہیں آپ تکبیر کے اسی مضمون میں تحریر کرتے ہیں۔

"یہ ایک انتہائی لغو بات ہے اور اس کے پیچھے صرف یہ جذبہ کار فرما ہے کہ چونکہ مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ ابو طالب کی تعریف میں غلو کرتا ہے اور ان کو صاحب ایمان قرار دیتا ہے تو ہم ان کے مقابلہ میں زبیر بن عبد المطلب کو کھڑا کر دیں"

ڈاکٹر صاحب اپنی اس تحریر مین روافض کو مسلمانوں کا ایک خاص فرقہ قرار دے رہے ہیں حالانکہ یہ نہایت ہی غلط بات ہے روافض مسلمانوں کا فرقہ نہیں بلکہ اسلام کے خلاف حقیقی حزب اختلاف کا مصداق ہے ڈاکٹر صاحب کو ابھی تک شاید یہ بات معلوم نہیں کہ رفض کی بنیاد ہی بغض اور کفر صحابہ پر ہے علماء لغت نے خود رفض کا معنی بیان کرتے ہوئے اس کی تصریح کی ہے علامہ زبیدی کی "تاج العروس" کے حوالہ سے علامہ عبد الفتاح ابو غدہ "مقدمہ اعلاء السنن" کی تعلیقات میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وهذا النص يفيد ان الرفض هو التدين ببغض الشيخين رضى الله عنهما لا تقديم على رضى الله عنه عليهما بالمحبة تعليق مقدمه اعلاء السنن قواعد فى علوم الحديث. ص ۱۴۲

ترجمہ۔ لفظ رفض کے متعلق صاحب تاج العروس علامہ زبیدی کی اس تصریح سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ رفض کا معنی یہ نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور شیخین پر ان کو فضیلت دینا بلکہ رفض کے عقیدہ اور اسکے دین ہونے کی بنیاد ہی شیخین رضی اللہ عنہما کے بغض پر ہے۔

ملا باقر علی اپنی مشہور کتاب "جلاء العیون" میں سیدہ عائشہ، حفصہ اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہم کے متعلق لکھتا ہے

پس از منبر فرود آمد و با مردم نماز صبحی ادا کرد و بخانہ ام سلمہ برگشت یک روز یاد و روز در آنجا ماند پس عائشہ ملعونہ زنان دیگر را راضی کرد و نزد حضرۃ آمد و التماس کرد آنحضرۃ را بخانہ خود برد چوں بخانہ عائشہ رفت مرض آنحضرۃ شدید شد پس بلال ہنگام نماز صبح آمد دران وقت حضرۃ متوجہ عالم قدس بود بلال ندائے نماز را داد حضرۃ مطلع شد پس عائشہ ملعونہ گفت کہ ابو بکر علیہ اللعنہ را بگوئید کہ با مردم نماز کند و حفصہ ملعونہ گفت کہ عمر را بگوئید کہ با مردم نماز کند حضرۃ چوں صدائے ایشاں را شنید و غرض فاسد ایشاں را دانست فرمود کہ دست ازیں سخناں بردارید کہ شما بزنانے

میمانید کہ یوسف را میخواستند کہ مکرہ کند چوں امر کردہ بود کہ ابوبکر و عمر علیہما اللعنہ بالشکر اسامہ بیروں روند دریں وقت از سخنان عائشہ وحفصہ یافت کہ ایشاں برائے فتنہ و فساد بمدینہ بر گشتہ اند بسیار غمگین شد ص ۴۳،۴۴ فصل چہارم۔

ترجمہ۔ خطبہ دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور لوگوں کے ساتھ جلدی نماز ادا کر کے ام سلمہ کے گھر تشریف لے گئے ایک دو یوم وہاں آپ کا قیام رہا اس کے بعد عائشہ-------- دوسری عورتوں کو راضی کر کے آپ کے پاس آئی اور آپ کو اپنے گھر لے گئی وہاں آپ کی بیماری میں اضافہ ہوگیا۔ بلال نے صبح کی نماز کے وقت آپ کو اطلاع دی آپ اس وقت عالم قدس میں مشغول تھے بلال کی اطلاع سے آپ مطلع ہوئے اتنے میں عائشہ-------- نے کہا کہ ابو بکر------ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور حفصہ-------- نے کہا کہ عمر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انکی یہ گفتگو سنی اور ان کی غرض فاسد معلوم کی تو آپ نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ تم بھی یوسف والی عورتوں کی طرح ہو جنھوں نے یوسف کو گمراہ کرنا چاہا تھا جب آپ نے حکم دیا تھا کہ ابوبکر اور عمر-------- اسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جائیں تو آپ نے یہی سمجھا کہ وہ تو چلے گئے ہیں لیکن اس وقت عائشہ اور حفصہ کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ فتنہ وفساد پیدا کرنے کیلئے مدینہ میں واپس آگئے ہیں اس پر سخت غمگین ہوئے۔

ہمیں ڈاکٹر رضوان کے وسعت مطالعہ کا اعتراف ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب ضرور ہی ان کی نگاہ سے گذری ہوگی ان کفریہ کلمات اور اس کے علاوہ تحریف قرآن اور عصمت آئمہ جیسے ملحدانہ عقائد کا ان کو ضرور ہی علم ہوگا اس کے باوجود بھی اگر وہ ان کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھتے ہیں تو پھر ان کی غیرۃ ایمانی کے فقدان پر ماتم ہی کرنا چاہئے انا للہ وانا الیہ راجعون روافض ۔ ، انہی کفریہ اور ملحدانہ عقائد کی بنیاد پر علماء نے روافض کے کفر کا فتوی دیا ہے المحدث الشہیر علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعلی المتوفی ۱۰۱۴ھ اپنی مشہور کتاب "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح" میں فرماتے ہیں

فانہم یعتقدون کفر اکثر الصحابہ فضلا عن سائر اہل السنۃ و الجماعۃ فانہم کفرۃ بالاجماع بلا نزاع. (مرقاۃ ص۱۳۷ ج۹)

پس تحقیق یہ روافض اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے کفر کا اعتقاد رکھتے ہیں زیادہ اس سے کہ وہ اہل السنہ والجماعہ کو مسلمان سمجھتے ہوں اسی بناء پر بغیر کسی نزاع کے بالاجماع یہ کافر ہیں وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و صفوۃ بریتہ محمد وعلی الہ وازواجہ المطہرات واصحابہ اجمعین۔

شیزان کی جملہ مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے

"شیزان" مرزائیوں کی فیکٹری ہے اس کی آمدنی کا ایک کثیر حصہ "دارالکفر ربوہ" جاتا ہے آپ تو اس جرم میں شریک نہ ہوں! شیزان کی جملہ مصنوعات کا بائیکاٹ دینی غیرت اور ملی حمیت کا تقاضی ہے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان

قمر الحسنین

زبان میری ہے بات ان کی

— بچوں کی پیدائش میں اضافہ روکا نہ گیا تو ایک دن کھانے کو بھی کچھ نہیں ملے گا (رانا نذیر)
تعجب ہے آج کا انسان، انسان کا رازق بن بیٹھا ہے۔

— نجیب کے لئے ہمارے گھر کا دروازہ کھلا ہے۔ (بیگم نسیم ولی خان)
آپ کے گھر سے ہی بھاگا ہوا لگتا ہے۔

— سکھیکی پولیس کا ماں بیٹی پر بر سر عام تشدّد (ایک خبر)
رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ وردیاں پہنے ہوئے آ گئے ہیں پاکستان میں

— شکست خوردہ بزرگ سیاست دان نے حقّے کی آواز پر جلترنگ شروع کر دی ہے۔ (روائیں)

— ملک کی بدنصیبی ہے کہ مڈل پاس وزیر اعلیٰ اردو کی عالمی کانفرنس کی صدارت کر رہا ہے (نوابزادہ نصراللہ خان)
جواب درست ہے!

— ایم این اے سے اے ایس آئی تک سب کو پتہ ہوتا ہے کہ چور کون ہے! (گورنر پنجاب)
شاباش! اچھے گورنر یوں ہی سچ بولا کرتے ہیں۔

— آج کے حالات میں ایک اور بھٹو کی ضرورت ہے۔ (معراج خالد)
باقی ماندہ پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے۔

— اناؤنسر کا دوپٹہ سرکنے سے اسلام خطرے میں نہیں پڑتا۔ ہم کسی عالم یا مُلّاں کے بتائے ہوئے اسلام پر عمل نہیں کرتے۔ (نعیم چٹھہ۔ وزیر مملکت برائے بہبود خواتین)
قدرت کے انداز جدا ہیں رام دہائی رام دہائی خچر ہاتھی راہنما ہیں رام دہائی، رام دہائی

— میں عید والے دن جلد اٹھ جاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ نماز نہ پڑھوں (مُنیر نیازی)

— غریب سے اس کا خدا مت چھینو، ایک امید تو ہے وہ بھی چھن جائے تو اس کے پاس کچھ بھی نہ رہے گا۔ (احمد فراز)

گنہگار و اں چھوٹ جائیں گے سارے　　جہنم کو بھردیں گے شاعر ہمارے

—— مسئلہ کشمیر: حکومت نے ولی خاں کی خدمات حاصل کرلیں۔　　(ایک خبر)

گدڑ کچریاں تے جمعدار ہویا　　اُٹھ گھلیا باغ لگا دنے لوں

—— افغانستان میں اسلام کی نہیں کرسی کی جنگ ہے۔ وہاں بنیاد پرستوں کو اقتدار نہیں ملے گا (ولی خان)

آپ جیسے بے بنیاد لوگوں کو جلانے کے لئے پروفیسر عبدالرب رسول سیاف کی شاہانہ ڈاڑھی ہی کافی ہے۔

—— مجھے ڈنڈے نہیں پڑے　　(شبیر بلور)

باقی سب کچھ ہوا۔

—— پنجابی گالیوں کی زبان ہے۔　　(میاں طفیل محمد)

اگر اس کا جواب دیا گیا تو کپور تھلہ جل اٹھے گا۔

—— غفار خان نے افغانستان میں دفن ہونے کا فیصلہ دونوں ملکوں کے اتحاد کے لئے کیا۔ (اجمل خٹک)

ہمت پکڑو ہمّت! تاریخ کی درستگی کا صحیح "تریکا" یہی ہے۔ ویسے بھی "حقائق حقائق ہیں"!

—— حکمرانوں کے پاس میرے خلاف کچھ ہے تو اسے عدالت میں لائیں۔　　(کھر)

شرم وحیا والے کے لئے تہمینہ درانی کی کتاب "میڈا سائیں" ہی کافی ہے۔

—— جے یو آئی، اور جے یو پی نے "اسلامی جمہوری محاذ" کے نام سے نیا اتحاد قائم کرلیا۔ (ایک خبر)

بیڑے سنے ہے پان کو پالا رام دہائی　　دل میں ہے کچھ کالا کالا رام دہائی

اور اگر کسی موقعہ پر اجتہادی سہو ہوگیا تو حاکم حقیقی کی طرف سے آپ کو ٹوکا گیا۔ (بقیہ از صفحہ ۲۲)

لم نحرم ما احل الله لك (تحریم)

اے نبی! تم نے خدا کی حلال کی ہوئی چیز (شہد) کو نہ کھانے کا عہد کرکے اسے حرام کیوں کرلیا۔

پھر آپ نے کفارہ قسم ادا کرکے اس عہد کو ختم کیا۔

رسول پاکؐ معصوم تھے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے کبھی کوئی گناہ، اخلاقی یا شرعی سرزد نہیں ہوا البتہ اگر کبھی کسی مصلحت کے تحت اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تو وحی آسمانی نے اس کی اصلاح کردی اور آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

پھر ائمہ اہلِ بیت کے حق میں معصوم ہونے کا عقیدہ کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا وہ اجتہادی غلطیوں سے بھی محفوظ تھے۔ تو پھر لازماً ان کا مقام نبوت سے بھی بلند ہوگیا اور درجۂ الوہیت تک پہنچ گیا۔

اور اگر بشریت کے تقاضہ سے وہ حضرات اجتہادی سہو میں مبتلا ہوتے تھے تو پھر اس سہو و غلطی کی اصلاح

دیکھتا کیا ہے میرے منہ کی طرف
قائدِ اعظم کا پاکستان دیکھ

مظفر گڑھ میں ڈاکوؤں نے بس لوٹنے کے بعد مسافر عورتوں کو بے آبرو کر دیا

واردات صبح 5 بجے کی گئی بس ملتان سے لیہ جا رہی تھی' ڈاکو ڈرائیور کو جان سے مار دینے کی دھمکی دیکر بس کو ریگستانی ٹیلوں پر لے گئے

جب پولیس کو مار پڑے تو لوگ خوش کیوں ہوتے ہیں.......؟

ن کے کرتوت ہی ایسے ہیں - راؤ رشید' عوام کو پولیس سے سخت نفرت ہے - جنرل انصاری' یہ لوگ سرکاری وردی پہن کر غنڈہ گردی کرتے ہیں - رانا اعجاز

ہماری پولیس کا خمیر حاکمیت سے اٹھایا گیا ہے - خواجہ طفیل' ظالم اور اذیت پسند پولیس اہلکاروں کا نفسیاتی معائنہ کرایا جائے - نصرت حبیب

پولیس میں عوام کے تحفظ کی اصطلاح ہی نہیں ہے - اصغر علی' عوام کا مال کھا کھا کر ان کے پیٹ بڑھ گئے ہیں - رانا نذر الرحمن

بلدیہ ہاڑی کا ہال میدان جنگ بن گیا' کونسلروں نے ایک دوسرے پر کرسیاں چلا دیں

تیسرے اجلاس کا آغاز ایک دوسرے پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش سے ہوا کونسلر گتھم گتھا اور سابق اور موجودہ چیئرمین نے ایک دوسرے کے گریبان پکڑ لئے

لڑائی اجلاس آدھ گھنٹہ تاخیر سے شروع کرنے پر ہوئی' غیر متعلقہ افراد بھی لڑائی میں شریک ہوئے' حزب اقتدار کا ایک کونسلر اپوزیشن سے ملنے میں لڑائی مزید تیز ہو گئی

شیخوپورہ میں گوجرانوالہ کی 15 سالہ بیٹی کو اسی کے گھر میں رسیوں سے جکڑ کر بے آبرو کر دیا گیا

باپ اپنی عزت کے لٹ جانے کی رپٹ درج کرانے تھانے پہنچا تو ملزم اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہلے سے موجود تھا

ملزموں نے پروین اختر کے باپ کو چار دن تک گھر میں بند رکھا' بے آبرو ہونے والی کا طبی معائنہ بھی نہ ہونے دیا

لارڈ میئر لاہور میاں عبدالمجید نے کتوں کے گوشت کی فروخت پر ڈائریکٹر ویٹرنری اور چیف سینی ٹیشن افسر کو فوری طور پر معطل کر دیا ہے اور کارپوریشن مجسٹریٹ کو انکوائری افسر مقرر کیا ہے

پچھلے دنوں بعض قصاب کتوں کا گوشت فروخت کرتے ہوئے گندے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ عام طور پر کتوں کا گوشت شادی بیاہ کے موقع پر فراہم کیا جاتا ہے۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر کسی کو اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اشیائے خورد و نوش چیک کرے۔ قصاب خود ہی گوشت بنا کر لے آتے ہیں اور باورچی انہیں دیگوں میں چڑھا دیتے ہیں۔ اسی طرح کھانے والوں کے پاس بھی اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ بوٹی اٹھا کر دیکھیں کہ یہ کس جانور کی ہے۔ جونہی اعلان ہوتا ہے کہ حضرات کھانا تیار ہے تو لوگ میزوں کی طرف ایسے بھاگتے ہیں جیسے کابل فتح کرنے جا رہے ہوں۔ اس وقت جو کچھ بھی ہاتھ آئے اسے منہ کے راستے پیٹ میں انڈیلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خدا جانے یہ قصاب اب تک کتنے لوگوں کو کتوں کا گوشت کھلا چکے ہوں گے۔ اخباری اطلاعات میں بتایا گیا تھا کہ وزیر اعلیٰ بھی ایک برات میں شامل تھے جس کی تواضع کتے کے گوشت سے کی گئی۔ اس لئے لارڈ میئر کی ناراضگی بجا ہے کہ گوشت چیک کرنے والے عملے نے اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کیوں نہیں کئے۔ لیکن اہل پاکستان کو بھی سوچنا چاہئے کہ حلال جانور کب تک ان کی حد سے بڑھی ہوئی گوشت خوری کا ساتھ دیں گے۔ (مسرر راپٹے)

DAILY-NAWA-I-WAQT, APRIL 29, 1992

مفتی ابومعاویہ منظور احمد تونسوی۔

آزر ـــــ کون ؟

چند شبہات کا ازالہ

زیر نظر مقالہ میں وقتی طور پر پیدا شدہ صورت حال کے پیش نظر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق عرق ریزی کی گئی ہے کہ ان کے والد کا کیا نام تھا ؟ اور وہ زمانۂ فترت میں فوت ہوئے یا حالت کفر میں ؟ آئندہ صفحات میں آپ اس کے متعلق تحقیق ملاحظہ فرمائیں گے (مؤلف)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا شمار جلیل القدر، عظیم المرتبت اور اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہوتا ہے اور آپ کو جدالانبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نسل اسرائیل کے ہزاروں انبیاء علیہم السلام اور نسل اسمٰعیل کے سرتاج امام الانبیاء، سیدالمرسلین خاتم النبیین سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہونے کا شرف وجد آپ کو حاصل ہے۔

سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا نوحؑ کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہوا ہے یعنی آپ ان کی گیارھویں پشت میں تھے خود توراۃ ہی کے شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بنا پر یہ ہے کہ توراۃ میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔ سالِ ولادت سرچارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق سنہ ۲۱۶۰ ق۔م ہے۔ اور صاحب قصص القرآن کی تحقیق کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سیدنا آدم علیہ السلام کے تقریباً ۳۳۲۳ سال بعد ظالم وجابر بادشاہ نمرود بن کنعان بن کوش بن سام کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا دونوں سنہ ولادت ایک ہی ہوں یعنی سنہ ۲۱۶۰ ق.م ۳۳۲۳ بعد از نزول آدم ہی بنتا ہو۔ اور عمر شریف توراۃ میں ۱۷۵ سال درج ہے۔ سال وفات اس لحاظ سے سنہ ۱۹۸۵ ق.م ٹھہرتا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آزمایا اور طرح طرح سے آپ کا

امتحان لیا گیا۔ ظالم نمرود کے ہاتھوں آپ کو آگ میں ڈلوا کر امتحان لیا، اور وطن و ملک سے ہجرت کر جانے کا حکم دے کر آزمایا گیا۔ پھر سالہا سال کی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہونے والے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا یعنی زندگی بھر کی پونجی راہِ خدا میں قربان کرنے کو کہا گیا۔ ان تمام امتحانات میں نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے بلکہ نہایت اعلیٰ پوزیشن حاصل کر کے انعام کے مستحق ٹھہرے تو قدرت کی طرف سے کامیابی کا اعلان ہوا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہ اور پھر انعام زریں کا تمغہ عنایت ہوا۔ اور وہ تمغہ تھا اقوام عالم کی پیشوائی کا چنانچہ دنیا کی مشہور اور بڑی بڑی تین قومیں جو آسمانی مذہب پر یقین رکھتی ہیں یعنی مسلمان، یہود، نصاریٰ سب آپ کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں۔

والد کا نام عبرانی زبان میں تارح اور عربی آذر میں آزر ہے۔ نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی طرح آیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآنی تلفظ ازر کافی ہے۔ وطن آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا۔ جدید جغرافیہ میں اس کو ملک عراق کہتے ہیں جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توراۃ میں اُور (R ما) آیا ہے۔ مدتوں یہ نقشہ سے غائب رہا، اب از سرِ نو نمودار ہو گیا ہے۔

کھدائی کے کام کی داغ بیل سنہ ۱۸۹۴ء ہی میں پڑ گئی تھی سنہ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم میوریم پنسیلوینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق کو روانہ ہوئی، اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا اور عراق گورنمنٹ کے محکمہ آثارِ قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں لا کر ان کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایۂ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔! (تفسیر ماجدی)

آیندہ صفحات میں یہی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن وحدیث اور مفسرین ومحدثین اور مؤرخین کی تحقیق سے یہ واضح ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہی ہے۔ اس پر ایک شبہ وارد کیا گیا ہے۔

شبہ: کہ آزر کا مشرک و کافر ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے اگر آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ

تسلیم کر لیا جائے تو پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مشرک کی اولاد ماننا پڑے گا۔ نیز امام الانبیاء حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آتے ہیں یعنی حضور علیہ السلام کے جد امجد ہیں۔ تو آزر کا حضور علیہ السلام کے نسب نامہ میں آنا بھی ضروری ہوگا حالانکہ وہ بت پرست اور مشرک تھا تو اس میں امام الانبیاء علیہ السلام کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ لہٰذا آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا کہنا اور ماننا زیادہ بہتر ہے جیسا صاوی حاشیہ جلالین کے مصنف علامہ احمدؒ نے کہا ہے کہ تارحؑ ابوہ مات فی الفترۃ ولم یثبت سجودہٗ لصنم الخ کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے اور ان کا وصال زمانۂ فترت میں ہوا، اور اس کا بتوں کو سجدہ کرنا ثابت نہیں۔

جواب ا: کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک اور بت پرست نہ تھا۔ بلکہ سب کے سب مُوحّد اور خدا پرست تھے اگر کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء و اجداد میں سب مُوحّد تھے۔ تو یہ اختلاف اور نزاع ہی ختم ہو جاتا اور پھر کسی کو اس میں اختلاف کی مجال نہ تھی، اور نہ کوئی اس میں خامہ فرسائی کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسرین و محدثین اور مؤرخین نے آزر کو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ ثابت کیا ہے۔ باقی علامہ احمد صاویؒ کا یہ کہنا کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ زمانۂ فترت میں فوت ہوا ہے اور اس کا بتوں کو سجدہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ یہ جمہور مفسرین و محدثین اور مؤرخین کی رائے کے خلاف ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

جواب ۲: جن لوگوں نے آزر کے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہونے میں اختلاف کیا ہے وہ خود اس میں متحیّر و متردّد ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے امام رازیؒ نے اس میں اختلاف کیا اور ایک رسالہ لکھا جس میں آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ پھر ان کی تقلید امام جلال الدین سیوطیؒ نے کی، لیکن سیوطیؒ نے وہی دلائل نقل کر دیئے جو امام رازیؒ نے ذکر کئے تھے۔ جب کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ ثابت اور تسلیم کیا ہے۔

اسی طرح امام سیوطیؒ نے تفسیر جلالین اور اتقان فی علوم القرآن میں آزر کو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ تسلیم کیا ہے

جواب ۳: تیسری بات یہ کہ اگر احادیث صحیحہ سے اس بات کا ثبوت مہیا ہو جاتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ شرک و کفر سے محفوظ ہے تو پھر جمہور علماء اہل سنت و جماعت حضور علیہ السلام

کے والدین کے بارے میں توقف کا مسلک اختیار نہ کرتے، بلکہ دو ٹوک کھلے الفاظ میں فیصلہ کر دیتے کہ حضور علیہ السلام کے والدین مؤمن وموحد تھے۔ توقف کرنے کا تو مطلب ہی یہی ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔ جب آپ علیہ السلام کے والدین کے بارے میں صراحت نہیں ملتی تو پھر سلسلۂ نسب کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ آپ علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر ومشرک نہیں تھا۔ البتہ برسبیلِ احتیاط توقف کی راہ اختیار کرنا اسلم ہے۔ البتہ احادیث سے یہ بات ضرور ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام کے پورے نسب نامہ میں کوئی شخص زن ومرد زانی و بدکار نہیں تھا۔ اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں کہ کوئی شخص کافر ومشرک ہوتے ہوئے بھی زنا اور بدکاری سے مجتنب رہے۔ چنانچہ محدث ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی متوفی ۴۳۰ھ نے اپنی مشہور تصنیف دلائل النبوۃ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن ادم الی ان ولدنی ابی وامی لم یصبنی فی سفاح الجاھلیۃ شیئ (دلائل النبوۃ ص۲۷)

میری ولادت نکاح کے ذریعے ہوئی اور میں بدکاری کے ذریعہ سے نہیں پیدا ہوا، حضرت آدمؑ سے لے کر میرے والدین تک اور مجھ کو ایام جاہلیت کی بدکاری نے چھوا تک بھی نہیں۔

اسی طرح مواہب لدنیہ ص۲۶ ج ا پر ابن مردویہؒ کے واسطے سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے۔

عن انس قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد جاءکم رسول من انفسکم بفتح الفاء وقال انا انفسکم نسباً وصھراً وحسباً لیس فی ابائی من لدن ادم سفاح

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقد جاءکم الآیۃ تلاوت فرمائی اور لفظ انفسکم کو فتح فاء کے ساتھ پڑھا جس کا معنی یہ بنتا ہے کہ بے شک آئے تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے

اشرف اور افضل اور سب سے زیادہ نفیس خاندان سے۔	کلنا نکاح

اس آیت مبارکہ کی تلاوت کے بعد نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں باعتبار حسب و نسب کے تم میں سب سے افضل اور بہتر ہوں۔ میرے آباء واجداد میں آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کہیں زنا اور بدکاری نہیں بلکہ سب نکاح سے پیدا ہوئے ہیں۔

سیدنا ابن عباسؓ اور امام زہریؒ بھی من انفسکم کے کلمہ کو بفتح الفاء پڑھا کرتے تھے اور من افضلکم واشرفکم نسبًا و حسبًا سے اس کی تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے تو سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک اور سیدہ حوآء سلام اللہ علیہما سے لے کر بی بی آمنہ تک حضور علیہ السلام کے تمام آباؤ اجداد اور امہات وجدات سب کے سب عفیف و پاک دامن اور محصنین ومحصنات تھے ان میں سے کوئی مرد اور عورت زنا و بدکاری کے ساتھ کبھی ملوث نہیں ہوا۔ اسی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے

کہ میں ہمیشہ پاک لوگوں کی پشت سے پاک خواتین کے رحم میں منتقل ہوتا رہا۔	لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا :

میں بنی آدم کے بہترین زمانے میں قرنًا بعد قرنٍ مبعوث ہوتا رہا حتیٰ کہ میں اس زمانے میں مبعوث کیا گیا جس میں اب ہوں۔	بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنًا فقرنًا حتیٰ بعثت من القرن الذی کنت فیه۔ (بخاری)

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نسب نامہ زنا اور بدکاری سے محفوظ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے سلسلۂ نسب میں ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والد ماجد جناب عبداللہ تک اور ام البشر سیدہ حوآء سے لے کر آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بی بی آمنہ تک کوئی فرد بھی زنا و بدکاری کے ساتھ کبھی بھی ملوث نہیں ہوا۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ خداوند قدوس نے جن قدسی صفات کو اپنی نبوت و پیغام رسانی کے لئے منتخب

فرمایا ہو ان کا سلسلۂ نسب ایسا ہی پاک اور مطہر ہونا چاہیئے اسی وجہ سے حق جل مجدہٗ ان نفوس قدسیہ کو ہمیشہ ہمیشہ اصلاب طیبین سے ارحام طاہرات کی طرف منتقل کرتا رہا۔

یہی وجہ ہے کہ جب منافقین نے سیدہ طاہرہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو خداوند قدوس نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی، عفت اور عصمت کی شہادت میں سورۂ نور کی دس آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک آیت یہ ہے:

وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَٰنَكَ هَٰذَا بُهْتَٰنٌ عَظِيمٌ	سنتے ہی تم لوگوں نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ پاک ہے اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔

کہیں نبی کی زوجہ مطہرہ بھی زنا کا ارتکاب کر سکتی ہے؟ ہم اس میں لب کشائی نہیں کر سکتے یعنی اے مسلمانو تم کو واقعہ افک سنتے ہی فوراً یہ کہہ دینا ضروری تھا کہ سبحان اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، پیغمبر کی بیوی کہیں فاجرہ اور بدچلن ہو سکتی ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تو عفیفہ و طاہرہ ہی ہوتی ہے۔

جیسا کہ ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے "ما بغت امرأة نبي قط" کہ کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی بھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا، ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر کی بیوی کا فاجرہ ہونا شانِ نبوت کے منافی ہے۔ یعنی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر کی بیوی بدچلن ہو۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی اہلیہ کے متعلق مفسرینؒ لکھتے ہیں کہ وہ کافرہ ضرور تھی لیکن فاجرہ نہ تھی یعنی کافرہ ہونے کے باوجود پاک دامن تھیں تو ثابت ہوا کہ ضروری نہیں کہ کافر زانی بھی ہو۔ بلکہ واقعات سے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کافر بھی باوجود کفر کے زنا جیسے افعال بد سے محفوظ تھے جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے بھی انہوں نے نہ کبھی بدکاری کی اور نہ شراب پی اور نہ کسی بت کو سجدہ کیا۔

شبہ: شبہ مذکورہ تارِ عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کہ کافر دنیا کی سب سے بدترین مخلوق ہیں کیونکہ قرآن مجید میں کافروں کو شَرَّ الْبَرِيَّةِ یعنی جانوروں سے بھی بدتر کہا گیا ہے۔ تو اگر یہ تسلیم

کر لیا جائے کہ آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہی کا نام ہے تو آزر کا شرّ البریہ ہونا لازم آئے گا، تو یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو بدترین خلائق کی پشتوں سے پیدا فرمائے لہٰذا آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں بلکہ چچا کا نام ہے۔

جواب ا: شبہ مذکور تارِ عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جس قرآن مجید میں کفار کو شرّ البریہ کہا گیا اسی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بھی ذکر موجود ہے کہ ربّ کائنات قادرِ مطلق اپنی قدرت کاملہ سے ناپاک (خبیث) سے پاک (طیب) کو نکالتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ آزر کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد ماننے میں ایذاءِ رسولؐ ہے محض بے اصل اور بودہ اور بلا دلیل ہے۔

جواب ۲: متقدمین میں سے صرف امام رازیؒ اور متاخرین میں سے معدودے چند حضرات نے آزر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہونے کا قول کیا ہے لیکن وہ بھی مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ کے درجہ میں، علاوہ ازیں تمام مفسرین و محدثین اور مؤرخین آزر کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ ثابت کرتے ہیں۔ اگر اس میں ایذاءِ رسول کا کوئی پہلو ہوتا تو تمام متقدمین و متاخرین کبھی اس طرف نہ جاتے اور ہرگز ہرگز ایسی بات نہ کہتے۔ اب اگر چودہ سو سال کے بعد کسی محقق دوراں کو اس میں ایذاءِ رسول نظر آجائے تو یہ خرابیٔ عقل تو کہی جاسکتی ہے اسے تحقیق نہیں کہا جاسکتا۔

اگر یہ بات درست ہو کہ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار دینے میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد کی طرف کفر و شرک کی نسبت کر دینا ہے جو جرم عظیم ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام مفسرین و محدثین و مؤرخین بشمول امام رازیؒ و امام سیوطیؒ جنہوں نے آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے وہ سب کے سب جرمِ عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ کس قدر جہالت اور سطحیت اور عامیانہ بات ہوگی۔

اگر ایسی کوئی معمولی سی بات بھی ہوتی تو قرآن و حدیث میں ضرور بیان کر دی جاتی کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں بلکہ چچا کا نام تھا۔ حدیث بخاری میں کئی جگہ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے اور نص قرآن سے بھی آزر کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہونا منصوص ہو گیا ہے اب بغیر کسی قرینہ کے قرآن و حدیث کے لفظ صریح کو حقیقی معنی سے ہٹا کر مجازی معنی پر محمول کرنا قطعاً درست نہیں ہوگا۔ قرآن مجید نے جب صراحۃً آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا ہے

تو پھر علمائے انساب اور بائیبل کے تخمینات اور قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو بلا شرعی اور حقیقی مجبوری کے مجاز پر محمول کرنا بعید از انصاف بھی ہے اور بعید از قیاس بھی۔

اہل علم اور سچے پکے مسلمانوں کو اس قسم کی دور از کار تاویلات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

ہذا ہو المرام!

بلا دلیل شرعی حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا تصریحات مذہب کے خلاف ہے

اصول فقہ کی کتابوں میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ جب تک حقیقی معنیٰ متعذر نہ ہو اس وقت تک مجاز مراد لینا جائز نہیں اور حقیقی معنیٰ کے متعذر ہونے کا قوی قرینہ پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ تو سارا قرآن بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق ایک سے زائد مقامات پر قرآن واشگاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے کہ اس کا نام آزر تھا، اور محققین امت بھی یہی کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی انداز کے نام سے ذکر کیا ہے جو بذات خود اس بات کی قوی ترین دلیل ہے کہ والد ابراہیم علیہ السلام کا نام آزر ہی تھا، واقع میں ایسا نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود بالخصوص اعتراض کرتے کہ قرآن نے حقیقت کے خلاف آزر کو جد الانبیاء علیہ السلام کا باپ کہہ دیا ہے۔ بہر حال تکلفات میں پڑ کر خواہ مخواہ ظاہر قرآن میں بلا دلیل شرعی تاویل کرنا اور حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا اصول کے مطابق کئی قباحتوں کا ارتکاب کرنا ہے، حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ اس وقت مراد لیا جاتا ہے جب کہ حقیقی معنیٰ مراد لینے میں کوئی شرعی خرابی اور قباحت کا ارتکاب لازم آتا ہو، حقیقت ترک کرنے کا کوئی قرینہ اور دلیل شرعی موجود ہو، اور اس جگہ حقیقت مراد لینے میں نہ کوئی شرعی خرابی لازم آتی ہے اور نہ ترک حقیقت پر کوئی قرینہ اور دلیل شرعی موجود ہے۔

ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

مَنْ سَبَّ الْاَنْبِیَاءَ قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ جُلِدَ

جو شخص انبیاء علیہم السلام کو برا کہے اس کو قتل کر دیا جائے، اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے اس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے!

حلقۂ احباب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شوال کا "نقیب ختم نبوت" ملا- سارا ہی پڑھ ڈالا- "سیرۃ عائشہ کا ایک ورق" والے مضمون نے تو بہت ہی مزہ دیا- "سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ" بھی بہت برمحل تھا- اس طرح دیگر مضامین بھی-

جنگ جمل اور حوأب کے کتے؟ مضمون بہت خوب ہے- یہ واقعہ ام زمل سلمیٰ کا ہی ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ کیسے لگا؟ اسکا موقع کیسے فراہم ہوا؟ اسکی وجہ شاید یہ ہے کہ حوأب، دو مقامات ہیں- ایک طائف کے پاس ہے جہاں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مرتدین سے جنگ ہوئی- جس میں یہ ام زمل بھی تھی اور دوسرا مقام بصرہ کے قریب ہے- جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر ہوا تو یاروں نے حوأب طائف کو حوأبِ بصرہ بنا کر وہاں کا واقعہ یہاں لگا دیا-

ملاحظہ ہو (زرقانی شرح مواہب ص ۲۴۸/ج ۷)

والسلام

ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی

اسلام آباد

محترم شاہ بلیغ الدین صاحب کی

تاریخی — تحقیقی — تصانیف

روشنی	قیمت مجلد	۶۵/۰۰	پیپر بیک	۵۰/۰۰
تجلّی	قیمت مجلد	۷۵/۰۰	پیپر بیک	۶۶/۰۰
طوبیٰ	قیمت مجلد	۱۰۰/۰۰		
رزمِ حق و باطل	قیمت مجلد	۶۶/۰۰	جلد اوّل	

سادہ زبان، دلکش اندازِ بیان رنگین کتابت وطباعت

اپنے شہر کے کتب فروش سے طلب کیجئے!

ملنے کا پتہ

۶۰/بی العریش سن سیٹ بلیے وارڈ نزد پی این ایس شفا

ڈیفنس کراچی

مُسافرانِ آخرت

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

گذشتہ دنوں میں

- حضرت الحاج مرزا محمد حسن چغتائی (امیر مرکزیہ مجلس احرارِ اسلام پاکستان) بہاول پور میں انتقال فرما گئے۔
- مولانا حافظ خدا بخش صاحب بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں انتقال کر گئے۔ مرحوم مقامی احباب احرار حافظ محمد اسماعیل صاحب، مولوی نعیم اللہ صاحب، مولوی سلیم اللہ صاحب کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔
- مولانا عبدالواحد سبحانی طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال کر گئے۔ ان کا تعلق ظاہر پیر ضلع رحیم یار خان سے تھا۔ وہ جناب غلام نبی خان غازی پوری کے داماد تھے۔
- چودھری علی احمد صاحب (سیالکوٹ) کی اہلیہ محترمہ اور جناب ارشد، امجد، اشرف صاحبان کی والدہ سیالکوٹ میں انتقال فرما گئیں۔
- بزرگ صحافی، مجاہد قلم کار، وفادارِ احرار محترم عبدالقدوس انصاری احمد پور شرقیہ میں وفات پا گئے۔
- حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز گمتھلوی مدظلہم العالی کے نوعمر پوتے اور مولانا سعید احمد صاحب زید مجدہٗ کے بیٹے ایک حادثہ میں جاں بحق ہو گئے۔
- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ لاہور میں انتقال فرما گئیں۔
- مولانا قاضی محمد یونس انور (لاہور) کے والد ماجد انتقال فرما گئے۔

ادارہ ان سب مسافرینِ آخرت کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے دعاگو ہے اور ان کے جملہ ورثاء و متعلقین کے صدمہ میں شریک ہے۔

مولانا ابو ریحان سیالکوٹی

کشفِ سبائیت

قسط دوم

قاضی صاحب نے یہاں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ موّلف "سبائی فتنہ" بھی میری عبارتوں کو نہیں سمجھ سکا اور تنقیص کا پہلو نکال لیا۔ اور دوسری یہ کہ جن علماء اہل السنتہ نے میری کتاب پر تقریظیں لکھی ہیں انہوں نے ان عبارتوں سے ایسا نہیں سمجھا اور کسی سُنی عالم نے بھی مجھے اس سے متعلق کچھ نہیں لکھا اور تیسری بات یہ کہ اگر بعض مخالفین نے مجھ پر اس قسم کا الزام لگایا ہے تو میں نے اسکا تسلی بخش جواب اپنی کتابوں میں دیدیا ہے۔

قاضی صاحب کی یہ تینوں ہی باتیں قابل غور ہیں۔

جہاں تک ان کی پہلی بات یعنی میرے بھی ان کی عبارتوں کو نہ سمجھ سکنے کا تعلق ہے تو یہ انکا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ جسکی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں فرمائی۔ قاضی صاحب کو چاہیئے تھا کہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اپنی ان عبارتوں میں سے کہ جنکا اصول اہل السنتہ کے خلاف ہونا میں نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کم از کم کسی ایک ہی عبارت کولکھ کر یہ ثابت کرتے کہ "دیکھو اس عبارت کا اصل صحیح مطلب یہ تھا لیکن ابوریحان، اپنی نا سمجھی سے اسکا مطلب یہ سمجھ بیٹھا ہے"۔ لیکن حضرت قاضی صاحب اپنی کسی ایک عبارت سے بھی اپنے دعوے کے مطابق میری ایسی کوئی نا سمجھی ثابت نہیں کرسکے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اللہ کی رضا سے متعلق جوایک عبارت، اپنے تبصرے کی پہلی قسط میں وہ لائے ہیں اسی کو لے لیجیئے۔ اسکا جو مفاد میں سمجھا تھا قاضی صاحب نے اپنی دوسری عبارتوں کے حوالہ سے اپنا عقیدہ اس کے مطابق نہ ہونا تو بیان کیا لیکن یہ کہنے کی جرأت وہ نہیں کرسکے کہ میری اس عبارت کا مفاد وہ نہیں جو ابوریحان سمجھا ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے صفینی اجتہادی موقف کی عدمِ صحت ثابت کرنے کیلئے آیتِ اتباع باحسان سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ

"حضرت معاویہؓ نہ مہاجرین میں سے ہیں اور نہ انصار میں سے بلکہ وہ تیسرے طبقے سے ہیں جن سے رضاء الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ اور ادھر حضرت علیؓ چونکہ مہاجرین اولین میں سے ہیں اس لئے حضرت معاویہؓ پر اس نص قرآنی کی رُو سے حضرت علیؓ کی پیروی لازم تھی لیکن انہوں نے بجائے پیروی کرنے کے ان کی مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا"۔

(ملخصاً خارجی فتنہ ص ۴۷۶ ج ۱)

میں نے حضرتِ قاضی صاحب کے اس استدلال کا مفاد حضرت معاویہؓ کی طرف سے رضاء الٰہی کی شرط (اتباع باحسان) نہ پائی جانے کی وجہ سے ان کیلئے مشروط (رضاء الٰہی) کا نہ پایا جانا یعنی انکا خدائی سند "رضی اللہ عنہم و رضواعنہ" کا مصداق نہ بن سکنا بیان کیا۔ اگر میں قاضی صاحب کی عبارتیں نہیں سمجھ سکا تو انکو چاہیئے تھا کہ وہ یہاں پہلے یہ بتاتے کہ چکوالی استدلال کا یہ ریحانی مفاد صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو غلطی کہاں ہے اور کیا؟ لیکن قاضی صاحب نے اپنے استدلال کے اس ریحانی مفاد کا غلط یا صحیح ہونا بیان کرنے کی بجائے چکوالی عقیدے کی بحث چھیڑدی، حالانکہ بحث یہاں چکوالی عقیدے کی نہ تھی بلکہ چکوالی طرزِ استدلال کے نتیجے کی تھی اور نتیجے کے بارے میں انہوں نے ایک حرف بھی نہیں لکھا کہ وہ صحیح ہے یا غلط

جس سے یہ واضح ہو جاتا کہ میں ان کی یہ عبارت سمجھ سکا ہوں یا نہیں؟ اور اس کے علاوہ اور کوئی عبارت حضرت قاضی صاحب نے ابھی پیش نہیں کی لہذا میرے بارے میں انکا یہ دعویٰ کہ میں ان کی عبارتیں سمجھ نہیں سکا محض بلا دلیل ہوا اور دعویٰ بلا دلیل کی جو حیثیت ہوتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ایسا دعویٰ نہ لائقِ توجہ ہوتا ہے اور نہ قابلِ سماعت۔

پھر حضرت قاضی صاحب نے یہاں جو "بھی" کا لفظ لگایا ہے یعنی یہ کہ "مولانا موصوف بھی میری الخ" اس سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے دربار سے اس نا سمجھی کا یہ تمغہ صرف مجھے ہی نہیں ملا مجھ سے پہلے اوروں کو بھی وہ یہ تمغہ دے چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ تمغہ انھی کو ملا ہوگا جنہوں نے قاضی صاحب سے ان کی کسی بات میں اختلاف کیا ہوگا۔ اگر واقعہ یوں ہی ہو تو پھر کہنا چاہیئے کہ یہ قاضی صاحب کی یا ان کی عبارتوں کی کرامت ہے کہ انکو ایسا کوئی بھی آدمی نہیں سمجھ سکتا جس کو ان سے کچھ بھی اختلاف ہو انکو تو بس وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنکو ان سے کلی اتفاق ہو۔ کیا یہ ایک عجوبہ نہیں ہے کہ قاضی صاحب تو ہر کسی کی سمجھیں لیکن ان کی صرف وہی سمجھے جو ان سے اتفاق کرے؟ کیا مودودی صاحب کے پیروکار، سندیلوی صاحب اور دیگر وہ حضرات جن کے پیچھے قاضی صاحب لٹھ لئے پھرتے ہیں وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ قاضی صاحب ہماری عبارتیں ہی نہیں سمجھ سکے؟ بھلا خارجی فتنہ میں کونسے سقراطی و بقراطی فلسفے چھانٹے گئے اور کونسی غزالی کی تہافتہ الفلاسفہ یا نانوتوی کی آبِ حیات کی گرہیں اس میں کھولی گئی ہیں کہ یہ صرف انھی کو سمجھ آسکتی ہے جنکو مظہری دربار سے سمجھداری کی سند جاری ہوئی ہو؟ اس لئے قاضی صاحب کی جن عبارتوں کو میں نے اصولِ اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف بتلایا ہے قاضی صاحب جب تک انکو میرا نہ سمجھ سکنا دلیل سے ثابت نہیں کر دیتے تب تک میں تو یہی کہوں گا کہ میں ان عبارتوں کو صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ خوب خوب سمجھا ہوں۔

کیا علماء اہل السنۃ نے چکوالیات کی بھی تائید کی ہے؟

اب آیئے قاضی صاحب کی دوسری بات یعنی خارجی فتنہ پر علماء اہل السنۃ کی تقریظوں کی طرف اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ قاضی صاحب کی خوش فہمی ہے یا خام خیالی کہ وہ علماء اہل السنۃ کو اپنی چکوالیات و مظہریات میں بھی اپنا ہمنوا اور مؤید سمجھتے ہیں۔ علماء اہل السنۃ نے بے شک قاضی صاحب کی تائید کی ہے لیکن صرف انھی باتوں میں کی ہے جو باتیں ان کی سنی مسلک کے مطابق ہیں اور ایسی باتوں میں ہم بھی قاضی صاحب سے متفق ہیں۔ لیکن جہاں تک اصولِ اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد سے ہٹ کر ان کی چکوالیات و مظہریات کا تعلق ہے تو ان میں علماء اہل السنۃ نے ہرگز ہرگز قاضی صاحب کی تائید نہیں کی۔ یہ قاضی صاحب کی سینہ زوری ہے کہ وہ اپنی چکوالیات و مظہریات میں بھی انکو اپنا ہمنوا بناتے چلے آرہے ہیں۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ قاضی صاحب نے خارجی فتنہ میں جہاں مسلک اہل السنۃ کی باتیں لکھی ہیں وہاں ان میں اپنی چکوالیات بھی شامل کر دی ہیں اور یہ سُنیات و چکوالیات آپس میں کچھ ایسے طریقے سے گڈمڈ ہیں کہ سرسری نظر سے ان میں امتیاز کر لینا مشکل ہے۔ مثلاً دیکھئے۔

(۱) اجتہادی خطاء و صواب کے بارے میں سنی مسلک تو انھوں نے یہ بیان کیا کہ اجتہادی صواب و خطاء دونوں چونکہ ظنی ہوتے ہیں نہ کہ قطعی اس لئے حضرت علیؓ کا اجتہادی صواب اور حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطاء یہ دونوں بھی ظنی تھے نہ کہ قطعی (خارجی فتنہ ص ۳۰۱، ۲۹۵، ۷۶۳ /ج ۱) لیکن اس کے ساتھ اپنی چکوالیت یہ ملا دی کہ ان حضرات کے اجتہادی صواب و خطاء کا نص قرآنی تک کے حوالہ سے قطعی فیصلہ کر دیا۔ دیکھئے (خارجی فتنہ ص ۲۱، ۲۲، ۲۸۲، ۵۷۲، ۵۹۰ /ج ۱ اور کشف خارجیت ص ۳۶۷، ۳۷۰) (تفصیل کیلئے دیکھئے ہمارے کتاب "سبائی فتنہ" از ص ۱۶ تا ص ۶۶ /ج ۱)

(۲) اسی طرح اسی اجتہادی خطاء و صواب کے ہی سلسلے میں سنی مسلک تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ مجتہدین کی اجتہادی

خطاؤ صواب کو بوقت ضرورت اگر بیان کرنا پڑے تو اندازِ بیان ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ کسی جانب کی توہین یا کسرِ شان کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ ملاحظہ ہو (خارجی فتنہ ص ۳۰۴، ۳۸۰، ۳۸۹، ۳۹۲/ج ۱) لیکن اس میں اپنی چکوالیت یہ جڑ دی کہ صحابہؓ کی اجتہادی خطاؤں کو ایسے انداز سے بیان کیا کہ ان کی کسرِ شان کا پہلو واضح طور پر نکلتا ہے۔ ملاحظہ ہو (خارجی فتنہ ص ۷۹، ۱۰۰، ۴۵۵، ۴۵۸، ۴۶۱، ۴۷۶، ۴۷۸، ۴۸۱، ۵۲۶، ۵۵۰/ج ۱) (تفصیل کیلئے دیکھئے "سبائی فتنہ" از ص ۶۶ تا ص ۱۳۱/ج ۱)

(۳) سنی مسلک تو یہ بیان کیا کہ اجتہادیات میں خطأ اجتہادی سے زائد کچھ نہ کہنا چاہیئے۔ اس سے تجاوز خطرناک ہے۔ (خارجی فتنہ ص ۴۲۳، ۴۲۸، ۴۹۱، ۵۸۳/ج ۱) اور چکوالیت بیچ میں یہ شامل کر دی کہ خطأ اجتہادی سے زائد باغی، جائر، قصور وار، گناہ، یقیناً سخت نافرمانی اور اللہ کے حکم کی مخالفت تک جا پہنچے (خارجی فتنہ ص ۷۹، ۱۰۰، ۴۵۵، ۴۵۸ وغیرہ/ج ۱)

(۴) سنی مسلک یہ بیان کیا کہ ہر مجتہد پر اپنے ہی اجتہاد کی پیروی لازم ہے (خارجی فتنہ ص ۵۵۱/ج ۱) اسمیں چکوالیت یہ داخل کر دی کہ حضرت معاویہؓ کو مجتہد مان کر بھی ان پر حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی از روئے نص قرآنی و حدیثی لازم قرار دے دی (خارجی فتنہ ص ۴۷۶، ۵۳۱، ۵۵۷/ج ۱) تفصیل کیلئے دیکھئے سبائی فتنہ از ص ۱۸۱ تا ص ۱۹۷/ج ۱)

(۵) اس طرح خلافت مرتضوی سے متعلق سنی مسلک تو یہ بیان کیا کہ خلفاء ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی قرآن کی موعودہ، راشدہ اور مستقلہ ہے (خارجی فتنہ از ص ۴۳۶ تا ص ۴۶۴ وغیرہ/ج ۱) اس میں اپنی چکوالیت قاضی صاحب نے یہ داخل کر دی کہ اسکی آڑ لیکر حضرت معاویہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) کو نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت، گناہ اور سخت نافرمانی وغیرہ کا مرتکب بنا ڈالا (خارجی فتنہ صفحات مذکورہ)

ہمارا یقین ہے کہ جن علماء اہل السنۃ نے قاضی صاحب کے بارے میں تائیدی جملے ارشاد فرمائے ہیں انہوں نے صرف اور صرف سنیات کے ہی پیش نظر ارشاد فرمائے ہیں۔ اس سے آگے ان کی سبائیات یا چکوالیات[1] ومظہریات کی تائید انہوں نے ہرگز ہرگز نہیں فرمائی۔ جس کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب "کشف خارجیت" کے ص ۶۱ تا ص ۷۱ جتنے بھی علماء اہل السنۃ کی آراء نقل کی ہیں ان میں سے ایک دو کو چھوڑ کر (کہ انہوں نے عمومی اور اصولی تائید فرمائی ہے۔ کسی خاص پہلو کا ذکر نہیں کیا) باقی سب نے بالتصریح رافضیت و شیعیت، خارجیت و ناصبیت اور یزیدیت و عباسیت کی تردید کے حوالہ سے ہی قاضی صاحب کی خدمات سراہا ہے۔ اس سے آگے رہی یہ بات کہ ان فرق باطلہ کی تردید میں دوسری طرف خود قاضی صاحب سے بھی کوئی تجاوز عن الحد ہوا ہے یا نہیں؟ تو اسکا ان علماء اہل السنۃ کی مذکورہ آراء میں قطعاً کوئی ذکر نہیں اور عدمِ ذکر نہ مستلزم ذکرِ عدم ہوا کرتا ہے اور نہ دلیل عدم ہی۔ اس لئے قاضی صاحب، خارجی فتنہ میں مذکور سُنیات کی حد تک تو علماء اہل السنۃ کی ان آراء کو اپنی تائید میں پیش کر سکتے ہیں اور اس حد تک ہم خود بھی قاضی صاحب کے ہی ساتھ ہیں۔ لیکن اس سے آگے چکوالیات و سبائیات میں بھی ان علماء کو اپنا ہمنوا سمجھنا خوش فہمی سے زیادہ کچھ نہیں۔ علماء اہل السنۃ کو اپنی خلاف اصول اہل السنۃ تعبیرات میں اپنا ہمنوا بتا کر کیا حضرت قاضی صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ چوٹی کے علماء اہل السنۃ بھی ان کی طرح صحابہ کرام کو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت وغیرہ کا مرتکب بتانے کی بے ادبی میں مبتلا ہیں۔ حاشا و کلا۔

ہماری گزارش ہے کہ قاضی صاحب اگر چاہیں تو یہ سوغاتیں اپنے تک ہی محدود رکھیں۔ دیگر علماء اہل السنۃ کے سر انکو تھوپنے کی کوشش نہ کریں۔ صحابہ کرام کے ادب و احترام سے متعلق ان علماء اہل السنۃ کا مسلک کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں کہ ان کی طرف قاضی صاحب جو چاہیں منسوب کر دیں۔ دنیا ان حضرات کے عقائد و نظریات سے خوب واقف ہے۔

---

[1] مراد ہیں ان کی وہ عبارتیں جو اصول اہل السنۃ، قواعد اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی شان کے سراسر خلاف ہیں۔

صحابہؓ کے خلاف لکھنے والوں کا جس طرح یہ حضرات تعاقب کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں کسی سے مخفی نہیں۔ لہذا ہم یہ ماننے کیلئے قطعاً تیار نہیں کہ ان حضرات نے قاضی صاحب کی حد درجہ غیر محتاط اور خلاف اصول اہل السنۃ و قواعد اجتہاد، تعبیرات و طرزِ استدلال کی بھی تائید کی ہو گی۔ اگر حضرت قاضی صاحب کو شک ہو تو خارجی فتنہ کی جن عبارتوں کا ہم نے اصولِ اہل السنۃ اور قواعد اجتہاد کے خلاف ہونا ثابت کیا ہے انکو خارجی فتنہ کی سُنیات سے الگ کر کے ان حضرات علماء کرام کی خدمت میں بھیج دیں اور ان سے پوچھیں کہ یہ مظہریات، اصولِ اہل السنۃ اور قواعد اجتہاد کے موافق ہیں یا مخالف۔ قاضی صاحب کو انشاء اللہ پتہ چل جائے گا کہ وہ اپنی چکوالیات و مظہریات میں کہاں کھڑے ہیں۔

باقی رہی قاضی صاحب کی یہ بات کہ میری کتاب میں اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو علماء خصوصاً مولانا لدھیانوی مجھے ضرور متنبہ کرتے حالانکہ کسی سُنی عالم نے بھی مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (ملخصاً) تو اس سلسلے میں

پہلی گزارش تو یہ ہے کہ جن حضرات نے آپ کو آپ کی ایسی عبارتوں پر متنبہ کیا تھا آپ نے اسکا کیا اثر لیا؟ اور تنبیہ کرنے والوں کا کیا حشر کیا؟ پھر آپ کو متنبہ کرنے والا سُنی بھی آخر کیسے رہ سکتا تھا؟ اس لئے آپ کو اگر کوئی متنبہ کرتا بھی تو آخر کیا سوچ کر؟

دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ کی کتاب میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے تو پھر آپ نے ادھر ادھر کے طعنے دینے کیوں شروع کر دیئے ہیں، ان عبارتوں پر کیوں گفتگو نہیں کرتے جن کا اصول اہل السنۃ اور قواعد اجتہاد کے خلاف ہونا میں نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ میں نے کوئی اٹکل کے تیر نہیں چلائے۔ ہوائی فائر نہیں کئے بلکہ آپ کی ایسی ایک ایک عبارت کا خلاف اصول اہل السنۃ ہونا دلیل سے بیان کیا ہے آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ ان عبارتوں پر گفتگو کرتے ان کا مطابق اصولِ اہل السنۃ ہونا ثابت کرتے۔ لیکن آپ نے ان پر گفتگو کرنے کی بجائے ادھر اُدھر کی باتوں میں اپنا دل بہلانا شروع کر دیا۔ حقائق و دلائل کا سامنا کرنے کی بجائے علماء اہل السنۃ کی تقریظوں کی دہائی دینا شروع کر دی جبکہ ایسی تقریظوں میں کئی کئی احتمالات آپ خود نکالا کرتے ہیں۔ مثلاً "اظہار حقیقت" کی تعریف و تحسین آپ نے خود کی۔ حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کی کتاب کی جلد اول پر آپ کے سمدھی گرامی قدر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب اطال اللہ بقاءہٗ نے بڑی دبنگ تقریظ لکھی اور جلد اول از اول تا آخر بغور پڑھ کر لکھی۔ اسی طرح گرامی قدر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کہ جن کے مدرسے میں، میں آج کل مدرس ہوں، نے کسی زمانہ میں مولوی عظیم الدین کی کتاب "حیات سیدنا یزید" پر تقریظ لکھی تھی۔ محدث عصر حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ نے اظہار حقیقت کی تعریف و تحسین کی۔ لیکن آپ کے نزدیک ان میں سے کوئی بھی تقریظ یا تعریف و تحسین قابل حجت نہیں، مصنف کے کل خیالات اور عقائد و نظریات کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں اور نہ اس بات کی ہی دلیل ہے کہ اس کتاب میں کوئی بات بھی مسلک اہلِ حق کے خلاف نہیں۔ جو احتمالات یا وجوہات آپ ان تقاریظ و تعاریف میں نکالتے ہیں وہی احتمالات و وجوہات آپ کی کتاب سے متعلق علماء اہل السنۃ کی آراء میں بھی تو نکل سکتے ہیں۔ پھر آپ حقائق و دلائل کی روشنی میں گفتگو کرنے کی بجائے علماء کی ان آراء پر ہی اتنا انحصار کیوں کر رہے ہیں۔ اس قسم کی تعریفیں اور تقریظیں تو محض تائیدیں ہوا کرتی ہیں مستقل دلیلیں نہیں ہوا کرتیں۔ لہذا آپ پہلے حقائق و دلائل کے میدان میں اتریں یہ میدان مار کر پھر بیشک ان تعریفوں اور تقریظوں سے بھی تائیدوں کا کام لے لیں۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ کسی بڑی شخصیت کی طرف سے کسی کتاب کی تعریف و توصیف ہمیشہ اس کتاب کے کل مندرجات کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ اس قسم کی تعریف و توصیف کے، اس کتاب کی صحت کے علاوہ اور بھی مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں۔

الف:۔۔۔ مثلاً کبھی اسکا سبب، مصنف سے سابقہ حسن ظن ہوتا ہے۔ جس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً مصنف کا دینی اعتبار سے قد آور شخصیت ہونا۔ اسکی دینی تالیفات و تصنیفات کا عموماً قابل اعتبار اور مفید ہونا۔ کسی فتنہ کی تردید میں اسکا معروف و مشہور ہونا وغیرہ وغیرہ۔ لہذا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایسے مصنف کی کسی نئی تصنیف کا بالاستیعاب بنظر غائر مطالعہ کئے بغیر ہی محض اس سے سابقہ حسن ظن کی بناء پر اسکی تائید و تصدیق کر دی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً خود حضرت قاضی صاحب نے ہی پہلے اظہار حقیقت کی تعریف کی تھی۔ حضرت الاستاذ محدث عصر شیخ بنوری رحمہ اللہ نے بھی اسکی تحسین فرمائی تھی۔ لیکن حضرت قاضی صاحب اس کو محض سابقہ حسن ظن کی بناء پر کی گئی تعریف و توصیف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جب سندیلوی صاحب نے قاضی صاحب کی طرح ان حضرات کی اس تعریف و توصیف کو اپنی تائید میں پیش کیا تو قاضی صاحب نے اسکا یہی جواب دیا ہے چنانچہ حقیقت حال بیان کر کے آخر میں بالتصریح لکھا ہے کہ

"اس سے معلوم ہوا کہ حسن ظن کی بناء پر بعض اکابر علماء بھی کسی کتاب کی تعریف لکھ دیتے ہیں اور بعد میں جب اس کتاب کی غلطیوں پر مطلع ہوتے ہیں تو پھر تنقید و اعتراض بھی کرتے ہیں۔ لہذا بندہ راقم الحروف پر یہ اعتراض کہ پہلے "اظہار حقیقت" کی تعریف لکھی ہے اور اب تردید کر رہا ہے علمی طور پر غلط ہے"۔

(خارجی فتنہ ص ۳۹، ۴۰/ج ۱)

ب:۔۔۔۔۔۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب کا موضوع وقت کا کوئی اہم تقاضا یا کوئی اہم فتنہ ہوتا ہے۔ کتاب کی تعریف و توصیف کرنے والے کا ذہن اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کی افادیت کا ایک پہلو متعین کر لیتا ہے۔ پھر اگر وہ اسکا بالاستیعاب اور بنظر غائر بھی مطالعہ کرتا ہے تو اسکا ذہن صرف انہی چیزوں کو جذب کرتا رہتا ہے جو پہلے سے متعین کردہ خاص پہلو کے اعتبار سے مفید ہوتی ہیں۔ باقی رہیں دوسرے کسی پہلو کے اعتبار سے اس میں موجود مضر چیزیں؟ تو ان کی طرف ذہن اس وقت تک متوجہ نہیں ہوتا جب تک اسکو کوئی متنبہ نہ کرے۔ پھر قاری اس کتاب کے ان مفید اجزاء کے پیش نظر ہی اسکی تعریف و توصیف کر دیتا ہے۔ جیسے مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب اطال اللہ بقائہ نے حکیم محمود احمد ظفر صاحب سیالکوٹی کی کتاب "سیدنا معاویہ، شخصیت اور کردار جلد اول" از اول تا آخر بغور پڑھی، اسکی تعریف و توصیف اور تائید و تحسین بہت اونچے الفاظ میں کی۔ انکو اس وقت کوئی بات بھی عقائد اہل السنۃ کے خلاف نظر نہ آئی۔ لیکن قاضی صاحب کے نزدیک چونکہ اس کتاب میں بہت سی باتیں مسلک اہل حق کے خلاف بھی تھیں اس لئے انکو حضرت شیخ مدظلہ کی یہ تقریظ و تعریف پسند نہ آئی۔ پھر ان کے یا کسی کے متنبہ کرنے سے شیخ مدظلہ کو بھی سنا ہے کہ ان پر تنبہ ہے۔

ج:۔۔۔۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب میں بعض کمزور پہلوؤں کی طرف تبصرہ نگار یا تائید کنندہ کی نظر بھی جاتی ہے لیکن چونکہ باقی کتاب کو وہ بہت مفید پاتا اور ان کمزور پہلوؤں کو اس کے مقابلہ میں وہ معمولی سمجھتا ہوتا ہے اس لئے اس کے ان کمزور پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے اسکی افادیتِ غالبہ کے پیش نظر اسکی تائید و تصدیق اور تعریف و تحسین کر دیتا ہے۔

د:۔۔۔۔۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کتاب کی تائید و تعریف کرنے والے بڑے آدمی کو اس فن سے چنداں مناسبت نہیں ہوتی جس فن سے وہ کتاب متعلق ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس کتاب کے نشیب و فراز سے ایک ماہر فن کی طرح واقف نہیں ہوتا۔ بس مصنفِ کتاب کے اصرار پر اسکی تعریف و توصیف کر دیتا ہے۔

جب کتابوں پر علماء کی تصدیقات و تقریظات کے مختلف اسباب ہوئے۔ کتاب کے کل مندرجات کا صحیح ہونا صرف یہی ایک سبب نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ کسی بڑی شخصیت کی طرف سے کسی کتاب کی تعریف و تحسین ہمیشہ اس بات کی

دلیل نہیں ہوا کرتی کہ اس کتاب میں کوئی بات بھی غلط اور خلاف اصول و قواعد نہیں۔ لہذا ایسی کسی کتاب کی کسی بات کا غلط اور خلاف حق ہونا اگر دلیل سے ثابت ہو جائے تو اسکی صحت کے ثبوت میں محض کسی عالم کی تصدیق و تائید پیش کر دینا ہی کافی نہ ہوگا بلکہ اس کیلئے مستقل دلیل کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ علماء کی تصدیقات و تقریظات تو بحیثیت مجموعی کتاب کی محض تائید ہوا کرتی ہیں۔ کتاب کی ہر ہر بات کی دلیل نہیں ہوا کرتیں۔

بالکل یہی حال زمانۂ حال کے فتنوں کی تردید میں لکھی گئی قاضی صاحب کی تصانیف بالخصوص "خارجی فتنہ" پر علماء اہل السنۃ کی تصدیقات و تقریظات کا بھی ہے۔ قاضی صاحب، دینی اعتبار سے قد آور شخصیت بھی تھے اور زمانۂ حال کے فتنوں یعنی رافضیت و شیعیت، خارجیت و ناصبیت اور مودودیت و عباسیت وغیرہ کی تردید میں مشہور بھی۔ اس سلسلہ کی ان کی تصانیف کا مذکورہ موضوع و عنوان وقت کا اہم تقاضا بھی تھا اور وہ مجموعی طور پر عموماً مفید بھی تھیں۔ اس لئے علماء اہل السنۃ نے ان سے حسن ظن، زمانۂ حال کے مذکورہ فتنوں کی تردید میں ان کی شہرت، کتاب کے موضوع و عنوان کی اہمیت اور اسی پہلو سے اسکی افادیت کے پیش نظر ان کی یہ کتاب بالاستیعاب و بنظر غائر پڑھے بغیر اسکی تصدیق و تائید کر دی ہے۔ نیز چونکہ قاضی صاحب نے خارجی فتنہ میں اکابر علماء اہل السنۃ کے بڑی کثرت سے بار بار حوالے دیئے ہیں ان ناموں کی فہرست دیکھ کر تصدیق و تائید کرنے والے علماء کو اگر یہ حسن ظن بھی ہو گیا ہو کہ اس کتاب میں قاضی صاحب کا سب کچھ کہا ہوا ان اکابر کا ہی کہا ہوا ہے اور اس لئے انہوں نے اسکی تصدیق و تائید کر دی ہو تو یہ بھی کچھ بعید نہیں۔

پھر یہ بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ایسی تصدیقات و تقریظات، عمومی اور مجموعی ہوا کرتی ہیں۔ کتاب کے ایک ایک مسئلہ اور اس کیلئے اختیار کی گئی ایک ایک تعبیر سے متعلق نہیں ہوا کرتیں۔

اس لئے علماء اہل السنۃ کی طرف سے قاضی صاحب کی کتاب "خارجی فتنہ" کی یہ عمومی تصدیق و تقریظ اور یہ مجموعی تعریف و تحسین اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتی کہ اس میں وہ کسی مسئلہ میں بھی جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹے ہیں۔ لہذا اس سلسلے میں خود قاضی صاحب کا بھی کسی جگہ جادۂ اعتدال سے ہٹ جانا اگر دلیل سے ثابت ہو جائے تو نہ تو وہ علماء اہل السنۃ کی ان تصدیقات و تائیدات کے منافی ہوگا اور نہ اسکا جواب محض ان تائیدات سے ہو سکے گا۔ بلکہ اس کیلئے قاضی صاحب کو بھی کسی ویسی ہی مستقل دلیل کی ہی ضرورت ہوگی۔

لہذا قاضی صاحب کی جن عبارتوں کا اصول اہل السنۃ اور قواعد اجتہاد کے خلاف ہونا ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے اگر وہ انکا جواب دینا چاہتے ہیں تو ویسے ہی دلائل سے دیں ورنہ محض علماء اہل السنۃ کی آراء تو اس کیلئے قطعاً کافی نہیں ہیں۔ ورنہ پھر ان کے جواب میں خود ان کی تعریف اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تحسین تو سندیلوی صاحب کیلئے اور شیخ الحدیث مدظلہ کی تقریظ حکیم محمود احمد ظفر صاحب کیلئے بھی حجت و سند اور ان کی کتابوں کی حقانیت کی دلیل ہوگی۔ لہذا قاضی صاحب علماء کی تصدیقات و تقریظات سے یا تو انکو بھی اتنا ہی فائدہ اٹھانے دیں جتنا وہ خود ان سے اٹھانا چاہتے ہیں۔ یا پھر خود بھی ان سے اس طرح فائدہ نہ اٹھائیں جس طرح ان کو ان سے فائدہ نہیں اٹھانے دیتے۔

تیسری بات

اس سلسلے میں تیسری بات حضرت قاضی صاحب نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ "اگر بعض مخالفین نے اپنی کتاب میں مجھ

چنانچہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب "کشف خارجیت" میں جتنے بھی علماء اہل السنۃ کی آراء اپنی تائید میں پیش کی ہیں، ان میں سے کسی ایک نے بھی خارجی فتنہ یا ان کی کسی بھی کتاب کو بالاستیعاب پڑھنے کی تصریح نہیں کی۔ صرف حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب مدظلہ نے "دفاع صحابہ" کا حرفاً حرفاً سننا ذکر فرمایا ہے۔ اور ان کی رائے گرامی متعلق بھی صرف اسی کتاب سے ہے۔ خارجی فتنہ سے اسکا کچھ بھی تعلق نہیں۔

پر اس قسم کا الزام لگایا ہے تو میں نے اپنی کتاب "کشف خارجیت" اور "دفاع حضرت معاویہؓ" میں اسکا تسلی بخش جواب دے دیا ہے" (ص ۴۳)

قاضی صاحب کی اس بات کا تعلق ان کی مذکورہ کتابوں کے ساتھ ہے۔ انہی کے جائزے سے پتہ چل سکتا ہے کہ مخالفین کے اس قسم کے الزام کا قاضی صاحب نے کیا جواب دیا ہے اور وہ کس حد تک تسلی بخش ہے۔ اور اس کیلئے ظاہر ہے کہ چند اوراق کافی نہیں ہوسکتے بلکہ اس کیلئے تو پوری ایک کتاب بلکہ دو کتابیں درکار ہوں گی۔ لہذا یہاں اسکا تفصیلی جائزہ پیش کرنے کی بجائے صرف دو باتیں مجملاً قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

پہلی تو یہ کہ جن حضرات نے قاضی صاحب کی کتاب پر تقریظیں لکھی ہیں ان کی تائید کی ہے انکو تو قاضی صاحب "علماء اہل السنت والجماعت" کے معزز لقب سے ملقب کرتے اور ان کی باتوں کو "تقریظیں اور تصدیقیں" وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے ان کی کتاب میں ایسی عبارتیں محسوس کی ہیں جن میں حضرت معاویہؓ کی تنقیص شان پائی جاتی ہے اور اس پر انہوں نے قاضی صاحب کو متنبہ کیا ہے انکو یہاں وہ "بعض مخالفین" کے نام سے یاد کرتے اور ان کی اس بات کو "الزام" کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ قاضی صاحب سے اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں میں قاضی شمس الدین صاحب مرحوم سکنہ درویش بھی تھے جو خارجی فتنہ کے مؤیدین علماء اہل السنۃ کے ہم طبقہ تھے اور بعض سے تو طبقہ میں بڑے تھے۔ اسی طرح ایک مولانا سعید الرحمان علوی صاحب بھی تھے جو شاید کسی اِکّے دُکّے کو چھوڑ کر خارجی فتنہ کے باقی تقریباً تمام ہی تبصرہ نگاروں سے کسی طرح بھی کم نہ تھے۔ اس طرح مولانا لعل شاہ صاحب بخاری کے عقیدت مند مولوی مہر حسین شاہ صاحب بھی تھے۔ جن کو خود قاضی صاحب نے ہی "مولوی" لکھا ہے۔ قاضی صاحب اگر چاہتے توانکو بھی "علماء اہل السنۃ" نہ سہی نرا "علماء" ہی کہہ سکتے تھے۔ ان کی تنبیہ کو "اختلاف" یا "نشاندہی" جیسا کوئی نام دے سکتے تھے۔ یہ بھی نہیں تو "بعض مخالفین" کی جگہ "بعض حضرات" یا اس سے بھی کم "بعض لوگوں" کہہ سکتے تھے۔ لیکن قاضی صاحب نے انکو یاد کیا تو "بعض مخالفین" کے عنوان سے اور ان کی بات کو نام دیا تو "الزام" کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کی یہ ایک مزاجی خصوصیت ہے کہ جس سے انکو اختلاف ہوجائے یا جس کو ان سے اختلاف ہوجائے تو وہ اسکو مخالفت اور عداوت کی حد تک پہونچا کے ہی دم لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سُنی عالم بس وہی ہے جو ان سے کلی اتفاق کرے یا کم از کم اختلاف نہ کرے۔ لیکن جس کو ان سے اختلاف ہوجائے یا جس کے یہ خلاف ہوجائیں تو پھر وہ نہ سنی عالم کہلانے کا مستحق رہتا ہے اور نہ ان کے عتاب خسروانہ سے ہی وہ بچ سکتا ہے اور یہ قاضی صاحب کی وہ مزاجی خصوصیت ہے جس کے شاکی ان کے پرانے رفقاء کار بھی ہیں۔ چنانچہ جمعیتہ سے مستعفی ہوتے وقت اس سے انکا جو رویہ رہا، جناب مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے اسکو ان کی انتہاء پسندی قرار دیتے ہوئے یوں شکوہ فرمایا۔

"لیکن حضرت قاضی صاحب جیسے بزرگ نے جس انتہاء پسندی کا ثبوت دے کر اتنی بڑی دینی جماعت کو، اس کے دینی مقاصد اس کے تمام خیر کے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے جو علیحدگی کا اعلان فرمایا اس سے جماعت کے سب بزرگوں کو نیازمندانہ شکایت پیدا ہوئی الخ"

(کشف خارجیت ص ۲۵۵)

اور دوسری بات جو ہم یہاں اجمالاً ذکر کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ قاضی صاحب نے ان "بعض مخالفین" کے اس قسم کے "الزام" کا تو کچھ بھی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ البتہ اپنی ذات کا دفاع خوب کیا ہے۔

مثلاً دیکھئے مولوی مہر حسین شاہ نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ "آپ حضرت علی کی خلافت کو قرآنی نص بھی قرار دیتے ہیں، قرآنی نص کے مقابلہ میں اجتہاد بھی جائز مانتے ہیں (کھلی چٹھی ص ۸) اسکا قاضی صاحب کوئی جواب نہیں دے سکے۔

ایک اعتراض اس نے یہ کیا کہ آپ ایک طرف تو لکھتے ہیں کہ از روئے نص قرآنی حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی

پیروی لازم تھی اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آخر وقت تک انہوں نے حضرت علیؓ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی تو انصاف سے بتایئے کہ حضرت معاویہؓ نے حکم قرآنی کی مخالفت کی یا نہیں؟ اور یہ اجتہادی خطا کی کونسی قسم ہے؟(کھلی چٹھی ص ۱۴)

اسکا بھی قاضی صاحب کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے بس یہ کہہ کے رہ گئے کہ اس وقت چونکہ کسی کو علم نہ تھا کہ باقتضاء النص حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے موعود خلیفہ راشد ہیں۔ لہذا اس وقت اسکو نص قرآنی کی مخالفت نہیں کہہ سکتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ پھر حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطاء، نص قرآنی کے مقابلہ میں کیسے ہو گئی؟ نیز اب تو علم اور یقین ہو گیا ہے نا کہ حضرت علیؓ ہی چوتھے موعود خلیفہ راشد تھے۔ اب فرمایئے حضرت معاویہؓ کی اس عدم اطاعت کو نص قرآنی کی مخالفت کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اسکا قاضی صاحب نے کوئی حل نہیں پیش کیا۔

ایک اعتراض مولوی مہر حسین شاہ صاحب نے یہ کہا تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیت فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ میں حقیقی باغی کا حکم مذکور ہے اور دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے قرآن کے حکم فقاتلوا التی تبغی پر عمل کیا تو گویا آپ نے حضرت معاویہؓ کو حقیقی باغی تسلیم کر لیا۔ (کھلی چٹھی ص ۱۱، ۱۴) اسکا حضرت قاضی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہی حال ان "بعض مخالفین" کے اس قسم کے دیگر "الزامات" کا ہے کہ قاضی صاحب انکا کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے۔ لہذا انکا یہ کہنا کہ "میں نے اسکا تسلی بخش جواب دیدیا ہے" ان کی اپنی ذات سے متعلق تو شاید صحیح ہو سکتا ہے لیکن حضرت معاویہؓ سے متعلق یہ قطعاً صحیح نہیں۔

اللہ توفیق دے مگر کس کو؟

آگے قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ

"الحمدللہ مولانا عبدالغفور صاحب موصوف نے خارجیت اور ناصبیت کے متعلق میری تحریرات کو بالکل صحیح مان لیا ہے۔ گویا کہ خارجی فتنہ میں میرے پیش کردہ مسلک کے نصف حصہ کو تو تسلیم کر چکے ہیں۔ باقی رہ گیا باقی نصف حصہ تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کے ماننے کی بھی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین[۳] بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم" (ص ۲۳)

قاضی صاحب نے یہاں بات بالکل الٹ دی ہے۔ شاید اس طرح وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ میں خارجی فتنہ کی تصنیف سے پہلے خارجی و ناصبی تھا۔ یہ کتاب پڑھ کر آدھا سُنی تو بن گیا ہوں اور آدھا ابھی بننا رہتا ہوں۔ حالانکہ بات یوں نہیں ہے۔ بلکہ میں الحمدللہ قاضی صاحب کی اس کتاب کے وجود میں آنے سے پہلے بھی نہ خارجی تھا نہ ناصبی، نہ رافضی تھا نہ مودودی، نہ قاضی صاحب کا اصطلاحی یزیدی تھا نہ عباسی۔ اور نہ اب ہی ہوں۔ بلکہ بحمداللہ پہلے بھی خالص سُنی تھا اور اب بھی بحمداللہ سنی ہوں۔ اس لئے خارجی فتنہ میں قاضی صاحب کے پیش کردہ مسلک کو میں نے تسلیم نہیں کیا کیونکہ میں سُنی پہلے کا ہوں اور خارجی فتنہ بعد میں وجود میں آئی ہے۔ بلکہ خود قاضی صاحب نے ہی میرے مسلک کا نصف حصہ اپنی اس کتاب کے ایک حصے میں تسلیم کر لیا ہے۔ باقی رہ گیا میرے مسلک کا باقی نصف حصہ؟ تو اللہ تعالیٰ انکو اس کے ماننے کی بھی توفیق عطا فرمائیں کہ وہ اصولِ اہل السنۃ، قواعد اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی شان کے خلاف اپنی تمام عبارتوں سے رجوع کر لیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک الزام یا بہتان لیکن کس کی جانب سے؟

---

[۳] لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بھلا میں کیوں ماننے لگا صحابہ کی شان میں بے ادبانہ عبارتوں پر مشتمل خارجی فتنہ کے اس حصہ کو؟ اللہ بچائے اس کتاب کے باقی نصف حصہ کو ماننے سے، آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

سب سے آخر میں اب قاضی صاحب نے بحث چھیڑی ہے حضرت معاویہؓ سے رضاء الٰہی کی۔ جسکا تعارف یہ ہے کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے صفینی اجتہادی موقف کو غلط ثابت کرنے کیلئے آیت اتباع باحسان سے استدلال کرتے ہوئے ایک بات تو یہ فرمائی کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ اللہ کی رضا مشروط تھی سابقین مہاجرین و انصار کی اتباع باحسان کے ساتھ۔ اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ انہوں نے یہ اتباع اور پیروی نہیں کی اور پھر نتیجہ یہ نکالا کہ لہذا ان کے موقف کو کوئی بھی صحیح نہیں کہہ سکتا۔ میں نے اس کے بارے میں بتلایا کہ قاضی صاحب کا یہ طرز استدلال بھی غلط ہے اور خود استدلال بھی۔ طرزِ استدلال تو اس طرح غلط ہے کہ اس سے حضرت معاویہؓ کے موقف کا غلط ہونا تو بعد میں ثابت ہوگا پہلے انکا اللہ کی رضاء سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔ اور خود استدلال یوں غلط ہے کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے اس آیت کی خلاف ورزی نہیں ہوئی بلکہ اس پر پورا پورا عمل ہوا ہے۔

حضرت قاضی صاحب اسکا جواب دیتے ہوئے "الجواب" کے نمبر ۱ کے تحت لکھتے ہیں کہ

"مولانا ابوریحان کے کاسیری عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں حضرت معاویہؓ کو رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں مانتا یہ سراسر بہتان ہے"۔(ص ۳۵)

جواباً عرض ہے کہ یہ سراسر بہتان تو بیشک ہے لیکن ابوریحان کا قاضی صاحب پر نہیں بلکہ قاضی صاحب کا ابوریحان پر ہے۔ کیونکہ میں نے اپنی کتاب "سبائی فتنہ جلد اول" میں کہیں بھی قاضی صاحب کی عبارتوں سے یہ نتیجہ ہرگز ہرگز نہیں نکالا کہ وہ حضرت معاویہؓ کو "رضی اللہ عنہ" کا مصداق نہیں مانتے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں قاضی صاحب کے عقائد سے تو بحث ہی نہیں کی بلکہ ان کی عبارتوں کے نتائج سے بحث کی ہے یہ بتانے کیلئے کہ ان کی عبارات و تعبیرات اصولِ اہل السنۃ اور قواعد اجتہاد کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ اصلاح ہیں۔ مثلاً دیکھئے یہاں میں نے یہ نہیں بتایا کہ قاضی صاحب، حضرت معاویہؓ کو "رضی اللہ عنہ" کا مصداق نہیں مانتے بلکہ یہ بتایا ہے کہ ان کی یہ عبارت حضرت معاویہؓ کو "رضی اللہ عنہ" کا مصداق نہیں بتاتی بلکہ الٹا رضاء الٰہی سے انکو محروم بتاتی ہے۔ اور چونکہ وہ رضاء سے مشرف تھے محروم نہ تھے اس لئے قاضی صاحب کی یہ عبارت، انکا یہ اندازِ بیان اور طرزِ استدلال غلط ہوا صحیح نہ ہوا۔ چنانچہ قاضی صاحب کی ایسی عبارتوں پر میں نے عنوان ہی "تعبیرات مظہریہ الخ" قائم کیا ہے۔ "عقائد و نظریات مظہریہ" نہیں قائم کیا۔ اور پھر صرف عنوان ہی یہ نہیں رکھا بلکہ قاضی صاحب کی زیر بحث اس عبارت پر بحث کرتے ہوئے اپنی بات کو درمیان میں روک کر جملہ معترضہ کے طور پر "تنبیہ" کے مستقل عنوان کے تحت یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ

"واضح رہے کہ یہاں ہماری بحث، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے عقیدے سے ہرگز ہرگز نہیں۔ ہم حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے بارے میں اس غلط فہمی میں ہرگز مبتلا نہیں کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی رسول، جنتی یا "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کا کسی بھی درجہ میں مصداق نہیں سمجھتے، حاشا و کلا۔ اسکا تو ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ بلکہ ہماری بحث حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے استدلال اور اس انداز بیان سے ہے جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادی موقف کو بالکل ہی غیر صحیح ثابت کرنے کیلئے کیا اور اپنایا ہے"۔(سبائی فتنہ ص ۹۱ ج ۱)

اب حضرت قاضی صاحب ہی انصاف فرمائیں کہ میں نے ان پر بہتان باندھا ہے یا وہ مجھ پر باندھ رہے ہیں؟

(باقی آئندہ)

قمر الحسنین قیصر

آہ! چغتائی صاحبؒ

اِک پیکرِ خلوص و محبّت چلا گیا
مہر و وفا و صدق و مروّت چلا گیا
احرار سے وفا کا نمونہ چلا گیا
وہ عاشقِ امیرِ شریعت چلا گیا
آگاہِ سرِّ شرع و طریقت چلا گیا
آزادیٔ وطن کے مراحل کا بانکپن
احرار کی بہار کا شاہد چلا گیا
جس نے تمام عمر گذاری تھی زُہد میں
وہ راز دارِ سرِّ حقیقت چلا گیا

جامِ شیریں
خالِص اجزاء۔بہتر شربت
ملک کا واحد شربت جس کی تیاری میں پانی کا ایک قطرہ بھی شامل نہیں۔
عام شربت میں پانی اور مصنوعی اجزاء استعمال ہوتے ہیں جبکہ قرشی کے جامِ شیریں میں خالص اجزاء کے عرقیات استعمال کیے جاتے ہیں۔
خالص اجزاء کے عرقیات کے استعمال کی وجہ سے اس کا ذائقہ منفرد ہے۔ پینے سے طبیعت بھی بھاری نہیں ہوتی اور دوسرے شربتوں کے مقابلے میں یہ پیاس بڑھاتا نہیں بلکہ پیاس بجھاتا ہے۔ جامِ شیریں گرمیوں میں لُو سے بچاتا ہے تسکین بخشتا ہے اور مفرحِ قلب ہے۔
جامِ شیریں کی ایک بوتل سے بغیر چینی ملائے ۳۰ گلاس شربت بنایا جا سکتا ہے۔
قرشی کا جامِ شیریں خالص اجزاء — بہتر شربت
شربت
جامِ شیریں
قرشی
تحقیق کی روایت۔معیار کی ضمانت

MONTHLY
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT
© 72813
Regd No. L - 8755
MULTAN
Vol.3 No. 5

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

جامع مسجد ختم نبوت

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

زیر اہتمام: تحریک تحفظ ختم نبوۃ (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان

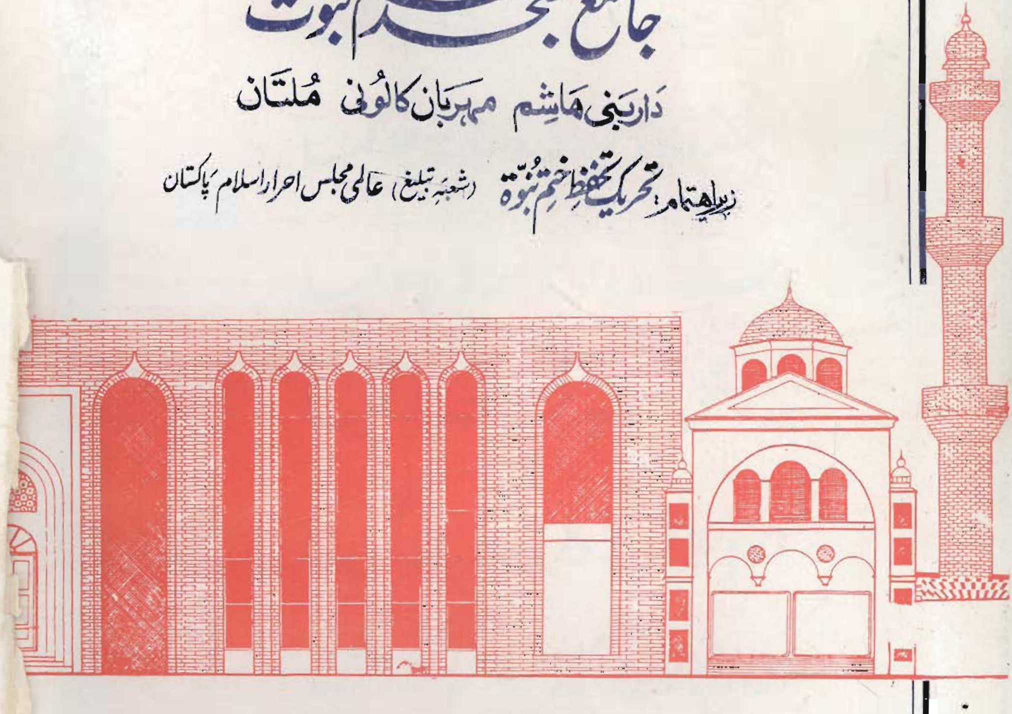

مسجد کی چھت مکمل ہو چکی ہے، بقیہ تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصہ لیں، نقد یا سامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں

ترسیل زر کے لئے

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری
دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی ملتان